جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

رجب المرجب
سنہ ۱۴۱۴ھ

جنوری
سنہ ۱۹۹۴ء

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۲ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ ـ جنوری ۱۹۹۴ء شمارہ : ۴

مدیر

سیّد محمود میاں

مُدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	۱۶ ڈالر
برطانیہ	۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ . . . ۵۴۰۰۵ فون ۸۶۰۲۰۱-۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ــ ۳

سیرۃِ مبارکہ ــــــ حضرت اقدس مولانا سیّد محمّد میاںؒ ــــــ ۱۰

درسِ قرآن ــــــ حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ ــــــ ۱۵

درسِ حدیث ــــــ حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ــــــ ۲۱

فراستِ مومن ــــــ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ــــــ ۲۴

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ــــــ مولانا محمد عرفان صاحب ــــــ ۳۲

مسئلہ ایصالِ ثواب ــــــ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدّظلہ العالی ــــــ ۳۹

دارالافتاء ــــــ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ــــــ ۴۶

ایک موقعہ پھر... ــــــ ڈاکٹر محمّد سرور چاند ــــــ ۴۹

حضرت مولانا شریف اللہ خان سواتی ــــــ مولانا خالد محمود صاحب ــــــ ۵۱

بہ یادِ والد بزرگوار ــــــ ڈاکٹر حامد خان حامد مرحوم ــــــ ۶۱

بزمِ قارئین ــ ۶۴

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امّا بعد، تحریکِ کشمیر سے متعلّق گزشتہ اداریہ میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ بغرض افادہ اسی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے آئندہ اداریہ میں روزنامہ "نوائے وقت" ہی میں مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو شائع ہونے والا ایک مضمون پیشِ خدمت کریں گے، چنانچہ ایفائے عہد کے طور پر "آپریشن جبرالٹر۔ المیائی کہانی" تحریر ارشاد محمود ہدیہ قارئین ہے۔

"۲۱ر جون ۱۹۶۵ء ایک اہم دن تھا جس دن پاکستانی حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کشمیر میں ایک خُفیہ جنگ کا آغاز کریں گے۔ پاک آرمی کے اعلیٰ تربیت یافتہ اور پُختہ کار کمانڈوز کو کشمیر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اُنہیں کہا گیا کہ وہ کشمیر کی آزادی میں اُن کی معاونت کریں، کشمیر کے قلب میں پہنچ کر ہندوستانی افواج پر ضرب لگائیں، اہم تنصیبات کو تباہ کر دیں اور کشمیری مسلمانوں کی تحریک کو آگے بڑھائیں۔

"آپریشن جبرالٹر" اس اہم فیصلے اور اس کے نتائج کی روداد ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں برسرِ پیکار پاکستانی فوج کے ایک جری کمانڈو "عالمگیر" نے یہ داستان خونچکاں لکھی ہے۔ آپریشن جبرالٹر کی اصطلاح طارق بن زیاد کے ایک تاریخی اور تاریخ ساز واقعہ سے مستعار لی گئی تھی جس طرح طارق بن زیاد

نے سپین میں داخل ہو کر کشتیاں جلا دیں اور واپسی کے سارے دروازے مقفل کر دیے تھے کشمیر میں بھی آپریشن جبرالٹر بالکل انہی معنوں میں شروع کیا گیا تھا کہ واپسی کے دروازے بند کر دیے گئے۔

بد قسمتی سے پاک افواج کو کشمیر میں کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہ ہوئی۔ بعد میں پتہ چلا طارق کی طرح اُنہوں نے اپنی کشتیاں جلا نہیں ڈالی تھیں بلکہ کچھ سنبھال کر رکھ لی تھیں۔ اس آپریشن میں شریک ہونے اور اس کی منصوبہ بندی کرنے والے لوگ طارق کی طرح دیوانے نہ تھے فرزانے تھے اس دور کی سیاسی اور فوجی قیادت نے مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے کس سنجیدگی خلوص اور اسلامی جذبۂ جہاد کے ساتھ منصوبہ بندی کی اور بعد میں جنگ کا آغاز کیا۔ اس سارے منظر سے "عالمگیر" نے اپنی کتاب "آپریشن جبرالٹر" میں پردہ اُٹھایا ہے۔

اہم واقعات کا انکشاف کرتے ہُوئے عالمگیر نے حقائق کا وہ چہرہ بے نقاب کیا ہے جو عام نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ عالمگیر لکھتے ہیں:

ہمیں اطلاع ملی کہ شام کو پانچ بجے چائے پر تمام افسران کا تعارف صدر مملکت محمد ایوب خان سے کروایا جائے گا اس لیے تمام افسر آدھا گھنٹہ پہلے میس میں پہنچ جائیں اس کے بعد رات کو ڈنر ہو گا۔ جس میں ڈویژن کمانڈر کے علاوہ کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ اور وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو بھی شامل ہوں گے۔ شام کو مقررہ وقت پر افسر پہنچ گئے۔ صدر سے تعارف ہُوا، افسروں نے شراب اور چائے پی۔ ہم چند افسر صدر کے گرد کھڑے تھے۔ اتفاق سے مستقبل قریب میں ہمارے مشن کی بات چھڑ گئی۔ جنرل اختر کہنے لگے۔

"سر بھارت ہمارے ایکشن کے خلاف کوئی سخت ردِ عمل ظاہر نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ اپنی فوجیں ہماری سرحدوں کے قریب لائے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں پیش کر دے گا۔ بھارت کی موجودہ قیادت اپنے لیے کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں"؟

اس پر صدر نے انگریزی میں فرمایا: "ہاں میرا بیٹا بھی یہی کہتا ہے کہ ہندوستان کی قیادت عام جنگ چھیڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ (یاد رہے کہ بھٹو ایوب کو ڈیڈی کہتے تھے) جنرل چودھری (بھارتی افواج کا کمانڈر انچیف) سینڈھرسٹ میں میری پلاٹون میں رہ چکا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ انتہائی مطلب پرست خود غرض ہے۔

عالمگیر اس شام کی کچھ مزید دلچسپیاں بتاتے ہیں :

"کچھ دیر بعد سینئر افسران چلے گئے اُن کے جاتے ہی ہم لوگ بھی اپنے اپنے کمروں میں واپس آ گئے۔ رات کے کھانے پر جنرل اختر ملک میس میں رہ گئے تھے۔ رات دو بجے تک قوالی ہوتی رہی اور پینے والے پیتے رہے جنرل اختر نہ صرف عہدے میں سب سے سینئر تھے بلکہ اس شغل میں بھی اُن کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔"

کیسی حیرت انگیز بات ہے کشمیر میں "آپریشن جبرالٹر" کی منصوبہ بندی وہ لوگ کر رہے تھے جن کے ہاتھوں میں شراب کے جام تھے اور جن کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسلامی تاریخ کے سنہرے باب کو وہ لوگ دہرانا چاہتے تھے جن کے نام طارق بن زیاد کے سپاہیوں جیسے تھے، لیکن جن کے اطوار کو دیکھ کر شرمائیں یہود۔

کیا ۱۹۶۵ء کی جنگ سازش تھی ؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے جواب نے کئی تلخ حقائق سے پردہ اُٹھا دیا۔ بلاشبہ کشمیر کی آزادی کے نام پر اقتدار کے حصول کا نہایت گھناؤنا کھیل کھیلا گیا۔

عالمگیر کا کہنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ایوب خان کو اقتدار سے محروم کرنا چاہتے تھے اور یہ اُس وقت ممکن نہ تھا جب تک آرمی کی قوّت و نخوت کا غرور پاش پاش نہ کیا جاتا۔ عالمگیر کے اس خیال کی پیپلز پارٹی کے حامی مارکسسی طارق علی نے بھی تائید کی ہے۔ طارق علی نے امریکہ میں چھپنے والے میگزین انٹرویو میں "   " کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں لکھا "مَیں نے بھٹو سے ۶۵ کی جنگ کے متعلّق استفسار کیا تو بھٹو نے کہا جب تک ان احمق جرنیلوں کو فوجی شکست نہیں ہوتی اقتدار کا حصول ممکن نہیں"۔

عالمگیر کے موقف کی تائید صرف طارق علی ہی نہیں کرتا بلکہ الطاف گوہر، میجر جنرل راؤ فرمان علی، لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمان، کرنل غفار مہدی، میجر جنرل احسان الحق ملک بھی کرتے ہیں۔

الطاف گوہر نے ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء کو اخبار گارڈین میں اپنے ایک مضمون میں لکھا۔ جنگ کے بعد جب کابینہ میں بھٹو کو صدر مملکت جنرل محمد ایّوب کو غلط اطلاعات

فراہم کرنے کا ذمّہ دار قرار دیا گیا اور اُن کے کردار پر شدید تنقید کی گئی تو بھٹو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ بھرائی ہُوئی آواز میں چیخنے لگے۔ الطاف گوہر لکھتے ہیں "ہر شخص حیران ہوگیا... بھٹو کہہ رہے تھے میرا سیاسی مستقبل تباہ ہوگیا ہے"۔

عالمگیر نے اپنی کتاب میں بھٹو کی افواجِ پاکستان اور ملک کے خلاف سازش کو بے نقاب کیا ہے کتاب کے مطابق ۱۹۶۳ء میں جب بھٹو وزیرِ خارجہ تھے تو ایک کشمیر سیل قائم کیا گیا اس سیل کے اکثر ممبر قادیانی تھے۔ میجر جنرل اختر ملک (جو خود بھی قادیانی تھے) کا اس سیل سے گہرا تعلق تھا۔ ۱۹۶۴ء کے شروع میں میجر جنرل اختر ملک کے بارھویں ڈویژن نے کشمیر میں ابتدائی کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ بارھویں ڈویژن کے افسروں اور سپاہیوں کی مختلف چھاپہ مار کارروائیوں میں کچھ کامیاب ہُوئیں جن سے اُن کے حوصلے بلند ہُوئے۔ اُنہوں نے فوج کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی۔ دراصل وہ جنرل موسیٰ کے ذریعے جنرل ایّوب خان کو باور کروانا چاہتے تھے کہ فوج کو کشمیر میں بھرپور حصّہ لینا چاہیے اور چھاپہ مار کارروائیوں میں شدّت پیدا کرنی چاہیے، مگر جنرل موسیٰ نے جنرل ایّوب کو لکھا

(۱) کشمیری عوام کو جنگ میں حصّہ لینے کے لیے تیّار کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے وقت درکار ہے۔

(۲) اگر ہندوستان کو احساس ہُوا کہ وہ کشمیر میں جنگ ہار رہا ہے تو وہ پاکستان پر حملہ کر دے گا۔

(۳) جب تک پاکستان ہندوستان کو شکست دینے کی پوزیشن میں نہیں آتا اس وقت تک کشمیر کے مسئلے کو نہ چھیڑا جائے۔

(۴) مزید دو ڈویژن فوج چاہیے تاکہ اس منصوبے پر عمل کیا جا سکے۔

عالمگیر کے مطابق جنرل ایّوب خان نے جنرل موسیٰ سے مکمّل اتفاق کیا، مگر اس کے باوجود چھاپہ مار کارروائیوں میں شدت پیدا ہوگئی۔ ہندوستانی فوج چوکس ہوگئی جس سے پاکستانی چھاپہ ماروں کی کارروائیوں میں کمی ہونے لگی۔

چھاپہ مار دستوں نے جھوٹی اور غلط رپورٹیں ہیڈ کوارٹر کو دیں۔ ایسے ہی ایک واقعے کا عالمگیر نے تذکرہ کرتے ہُوئے لکھا ہے پاک افواج نے دُشمن کے ایک مورچے پر حملہ کیا جس سے مورچے کی دیوار گر گئی اور دُشمن کا کوئی جانی اور مالی نقصان نہیں ہُوا لیکن

دوسری صبح پلٹن کے ایڈجوٹنٹ نے گشتی دستے کے کمانڈر کو مبارکباد دی کہ رات تمہارا حملہ کامیاب رہا۔ دُشمن کے مورچے کی تباہی کے علاوہ سپاہی بھی ختم ہوگئے ہیں۔ متعلقہ کمانڈر نے عالمگیر سے کہا "سَر خُدا جانے رپورٹ کس نے دی" اس کے علاوہ ہیڈکوارٹر کو رپورٹیں دی جاتیں کہ ہندُستانی فوج کا مورال اس حد تک گِر چکا ہے کہ پاکستانی فوج کے ۱ سپاہیوں کو دیکھ کر بھارتی فوج کی ایک کمپنی اپنا علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

ایک طرف ۱۲ ڈویژن کی طرف سے جھوٹی رپورٹوں کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف بُھٹو ایوّب خان سے کہہ رہے تھے۔ آپ ماؤزے تنگ، صدر ڈیگال اور یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو سے کسی طرح بھی کم نہیں ہیں آپ کے بیٹے کی خواہش ہے کہ آپ ہمیشہ پاکستان کے سَربراہ رہیں یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ آپ کشمیر کو پاکستان میں شامل کرلیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھی دوسری طرف دوسرے سینئر فوجی افسروں کو ذہنی غسل دینے میں مصروف تھے۔ جنرل موسیٰ اور جنرل شیر بہادر ان کے قابو میں نہ آسکے مگر بریگیڈیئر گل حسن جو ڈائریکٹر ملٹری آپریشن تھے ان کے دام میں پھنس گئے۔

جنرل موسیٰ ایک سادہ فطرت جنرل تھے انہوں نے آپریشن جبرالٹر پر اپنی رائے تو مزوری دی مگر خود سے یا صدر کی ناراضی کی وجہ سے استعفیٰ نہیں دیا۔ عالمگیر کا کہنا ہے کہ "اگر جنرل موسیٰ استعفیٰ دے دیتے تو شاید آپریشن جبرالٹر وجود میں نہ آتا"۔

"ذوالفقار علی بھٹو اور اس کے حواری اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ مئی ۱۹۶۵ء کے وسط میں ۱۲ ڈویژن کے ہیڈکوارٹر میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں صدر ایوب جنرل موسیٰ، جنرل شیر بہادر، جنرل اختر ملک، بریگیڈیئر گل حسن اور بریگیڈیئر ارشاد نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں جنرل موسیٰ کی مخالفت کے باوجود یہ فیصلہ کیا گیا کہ کشمیر میں چھاپہ مار جنگ شروع کی جائے۔ صدر ایوّب نے کہا۔

" موسیٰ مجھے وزارتِ خارجہ نے یقین دلایا ہے کہ بھارت عام جنگ میں ملوّث نہیں ہوگا۔ جنرل شیر بہادر کے مطابق ایوّب خان کے یہ الفاظ تھے (ہمیں کبھی تو دل مضبوط کر کے ہمّت کرنا پڑے گی۔)

" آپریشن جبرالٹر" ایوّب خان کی بے خبری اپنے "بیٹے" پر اندھے اعتماد اور بھٹو کے

ہوسِ اقتدار کی داستان ہے مگر یہ کتاب پاکستانی مجاہد گوریلوں کی قربانیوں، شہادتوں، جرأتوں اور رفعتوں کی کہانی بھی ہے جنہوں نے سالمیت وطن اور آزادی کشمیر کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جو اپنے ہی بڑوں کی چالوں سے بے خبر تھے۔ اُنھوں نے اپنی کشتیاں جلا دی تھیں۔ وہ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ اللہ کے راستے میں نکلے ہیں اور مقبوضہ کشمیر سے شاید کبھی زندہ واپس نہ آسکیں گے اس کتاب میں جہاں حکمرانوں اور اقتدار پرست طبقے کو عریاں کیا گیا وہاں کشمیریوں کی قربانیوں، اُن کی پاکستان سے اٹوٹ محبّت اور تعلّق کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

عالمگیر ۱۹۸۸ء میں بریگیڈیئر کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ وہ بھی آپریشن جبرالٹر میں شریک افسروں میں شامل تھے اپنے جاں نثار سپاہیوں کے ہمراہ مقبوضہ کشمیر گئے کشمیر کی وادی کا قریہ قریہ گھومے۔ آزادی کی راہیں روشن کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔

عالمگیر نے آپریشن جبرالٹر کا عمومی انداز میں جائزہ لیا لیکن حقائق کو بے لاگ انداز میں بیان کردیا۔ یہ درست ہے کہ عالمگیر اس سارے منظر کا ایک کردار بھی ہے مگر اپنے کردار کو نمایاں کرنے سے زیادہ اُنھوں نے پالیسی ساز اداروں اور شخصیات کو کسوٹی پر رکھا ہے تاریخ کا ایک اہم باب اس طرح غیر جانبدارانہ انداز میں بیان کرنا مستقبل کے مؤرخ کا کام ہے۔ عالمگیر نے مؤرخ کے لیے اہم دستاویز تیار کردی ہے۔

آج کشمیر میں پھر جہاد جاری ہے۔ ۱۹۶۵ء میں جب کشمیری مسلح جدوجہد کے لیے تیار نہیں تھے۔ تب پاک افواج کے ہزاروں کمانڈوز نے کشمیر میں داخل ہوکر جہاد شروع کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ آج کشمیری مسلح جدوجہد کررہے ہیں "آپریشن جبرالٹر" کی تلافی کا اس سے بہتر موقع پہلے کبھی نہیں آیا تھا بلکہ اَب تو یُوں محسوس ہوتا ہے کہ آپریشن جبرالٹر ۱۹۶۵ء کے لیے نہیں ۱۹۹۲ء کے لیے پلان کیا گیا تھا۔ آج کے حکمرانوں کو دوبارہ سوچنا چاہیے کہ اَب کیا کیا جاسکتا ہے۔ اہداف اور کامیابیوں پر دوبارہ غور ہونا چاہیے۔ دُشمنوں کے تجربات کو مدِنظر رکھ کر "کشمیر پلان" پر دوبارہ نظرِثانی کرنا چاہیے "آپریشن جبرالٹر" کی نئی منصُوبہ بندی آزادی کشمیر کے لیے معاون ثابت ہوسکتی ہے"

صاحب مضمون ریٹائرڈ بریگیڈیئر عالمگیر صاحب اپنے مضمون میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے

لکھتے ہیں۔

"کیسی حیرت انگیز بات ہے کشمیر میں "آپریشن جبرالٹر" کی منصوبہ بندی وہ لوگ کر رہے تھے جن کے ہاتھوں میں شراب کے جام تھے اور جن کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اسلامی تاریخ کے سُنہرے باب کو وہ لوگ دوہرانا چاہتے تھے جن کے نام طارق بن زیاد کے سپاہیوں جیسے تھے لیکن جن کے اطوار کو دیکھ کر شرمائیں یہود۔"

پھر آگے چل کر صاحب مضمون رقمطراز ہیں۔

"آپریشن جبرالٹر کی تلافی کا اس سے بہتر موقع پہلے کبھی نہیں آیا تھا بلکہ اب تو یُوں محسوس ہوتا ہے کہ "آپریشن جبرالٹر" ۱۹۶۵ء کے لیے نہیں ۱۹۹۲ء کے لیے پلان کیا گیا تھا۔"

ہماری دُعا ہے کہ "آپریشن جبرالٹر" میں ناکامی کی تلافی ہو مگر کیونکر؟ کیا جن لوگوں کے ہاتھوں میں شراب کے جام تھے۔ اَب اُن کی جگہ قرآن و تلوار ہے؟ کیا ضمیر کی ملامت نے سچّی توبہ کا جامِ شیریں نوش کرا دیا ہے؟ کیا لڑکھڑاتے قدموں کو استقلال نصیب ہو کر دِلوں کو اپنے رَب کی ذات پر کامل بھروسہ کی لذّت آشنائی ہوگئی ہے؟

کیا ہمیں وہ مدبّر سالار میسّر آگئے ہیں کہ جن کے کردار بھی اُن کے ناموں کی طرح طارق بن زیاد کے سپاہیوں جیسے ہوں؟؟ کاش صاحب مضمون نے اُن آثار و علامات کی بھی نشاندہی کی ہوتی جو ہمیں اس بات کا پتہ دیتی کہ واقعی اوصافِ حمیدہ افعالِ قبیحہ کی جگہ لے چکے ہیں کہ جن کی بدولت اللہ کی نُصرت اور دُشمن کی خواری کا وعدہ کیا گیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ آثار کسی اور ہی خطرہ کا پتہ دے رہے ہیں۔ اہل حل و عقد کا مسخرہ پن خاروں سے گلکاریاں کرتا قوم کے لیے کسی نئے "المیہ" کی دہائی دے رہا ہے۔

اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔ (القرآن)

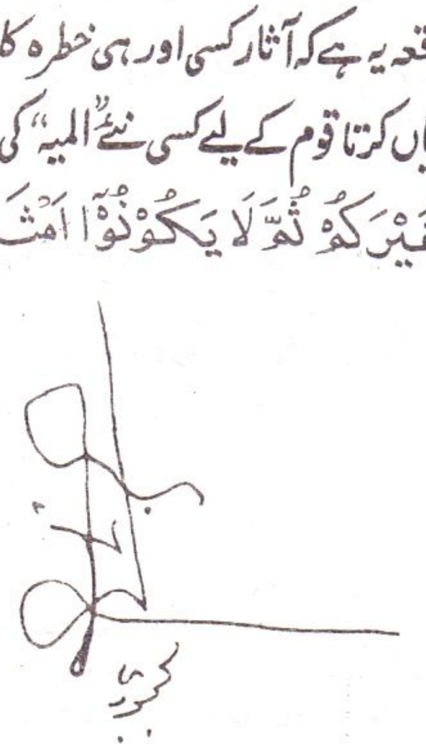

(قسط:۱۶)

یثرب میں اِسلام

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد القیس مدینہ کے عمائدین میں سے تھے۔ یہ مکّہ کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے پاس مدد حاصل کرنے کے لیے پہنچے۔ عتبہ نے کہا ہم خود عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے یہاں ایک شخص پیدا ہوگیا ہے۔ توحید کا قائل ہے۔ ہمارے دیوتاؤں کی تردید کرتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں خدا کا رسول ہوں۔ اس نے ہمارے سارے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ ہمیں خود اپنے سے فرصت نہیں۔ ہم کسی کی مدد کیا کر سکتے ہیں۔

عتبہ کے اس شکوہ نے نفرت کے بجائے ان دونوں کے دلوں میں محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) سے ملاقات کی اُمنگ پیدا کر دی۔ یہ عتبہ سے رُخصت ہُوئے۔ ناکہ بندی کی وجہ سے پہنچنا مشکل تھا، مگر ان دونوں نے کوشش کی اور کسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ خدمت میں حاضر ہُوئے۔ گفتگو کی۔ کلامِ پاک کی آیتیں سُنیں۔ دعوتِ اسلام کو سمجھا دماغ صاف تھا۔ دِل صاف تھا۔ طبیعت حق کی طرف مائل تھی۔ اللہ کے کلام نے اثر کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

مدینہ واپس پہنچے تو حضرت اسعدؓ نے اپنے دوست ابو الہیثم بن تیہان سے اپنے مُسلمان ہونے کا ماجرا سُنایا۔ وہ بھی مُسلمان ہوگئے۔ ان دونوں کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ یہ پہلے ہی سے شرک سے بیزار اور توحید کی طرف مائل تھے۔[1]

دو بزرگ اور تھے۔ رافع بن مالک ازرقی اور معاذ بن عفراء۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکّہ معظّمہ آئے اور کسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تبادلہ خیالات کا موقع مل گیا۔ یہ دونوں بھی اسلام سے مشرف ہو گئے۔[2]

[1] طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۴۶ [2] طبقات ابن سعد جلد اوّل ص ۱۴۶

یثرب کی پہلی جماعت جس نے دعوتِ اسلام قبول کی

اہلِ طائف نے جس سعادت کی قدر نہیں کی، اہلِ یثرب کی خوش نصیبی نے اس کا استقبال کیا۔ طائف سے واپس ہو کر مطعم بن عدی کی پناہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مکّہ معظمہ پہنچے تو حج کے مہینے شروع ہو چکے تھے۔ مراسم حج ادا کرنے کے دن آئے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے دستور کے بموجب قبائل کے کیمپوں اور زائرین کی مجلسوں میں پہنچ کر تبلیغ شروع کی۔ جس سرگرمی سے آپ تبلیغ کرتے تھے۔ قریش کا تعاقب بھی اتنا ہی شدید ہوتا تھا۔ خصوصًا ابولہب کی سرگرمی نے دیوانگی کی صورت اختیار کر لی تھی، لیکن قدرت کی کارفرمائیوں کا وہ مقابلہ نہ کر سکا۔ اسی گرما گرمی میں کچھ پاک نفوس ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے متاعِ جان اس دعوت کے نذر کر دی۔

یہ یثرب کے چھ یا آٹھ آدمی تھے جو حج کے لیے آئے تھے اور اب مراسم حج کے بموجب ایک جگہ سروں کے بال منڈوا رہے تھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں پہنچے۔ کچھ موقع مناسب معلوم ہوا آپ نے اپنی دعوت پیش کرنی شروع کر دی۔ کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ سننے والوں کی پاک روحیں متوجہ ہوئیں۔ اُن کے آپس میں کچھ باتیں اشاروں میں ہوئیں:

> "یہودی جس نبی کی خبر دیا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ وہی نبی ہیں۔ بے شک یہ کلام سچّا اور یہ دعوت برحق ہے۔ اب ہمیں ہمت کر کے پہل کر دینی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہودی سبقت لے جائیں اور اقبال مندی کا جو تاج ہمارے سروں کو بوسہ دینے کو تیار ہے، وہ یہودیوں کو میسّر آجائے۔"

اس طرح کی کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر سب نے اپنی گردنیں قبولِ دعوت کے لیے خم کر دیں۔ ان حضرات نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میری زندگی کا مقصد اسی دعوت کی اشاعت ہے۔ مکّہ کی زمین میرے لیے تنگ ہو گئی ہے کیا یہ ممکن ہے میں آپ کے ساتھ یثرب چلوں اور یثرب کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنالوں۔ ان حضرات نے عرض کیا۔ ہم بسر و چشم تیّار ہیں۔ مگر فی الحال آپ کا تشریف لے چلنا مصلحت کے خلاف ہے۔ ہمارے یہاں ابھی ایک سال پہلے بعاث کا نہایت سخت معرکہ ہو چکا ہے جس کے زخم اب تک ہرے ہیں۔ جذبات برانگیختہ ہیں اور دماغوں میں نفرت بھری ہوئی ہے اس حالت میں آپ کی دعوت صدا بصحرا ہو گی، کیونکہ اس وقت دونوں کا جمع ہونا ناممکن ہے آپ کسی بھی فریق سے رابطہ

پیدا کریں گے تو دوسرا فریق دشمن بن جائے گا۔ آپ ہمیں موقع دیں۔ ہم یثرب پہنچ کر جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں۔ خدا کرے کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہو اور فضا ہموار ہو جائے تو آپ کا تشریف لے چلنا مفید ہوگا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سال اسی مقام پر حاضر ہوں گے اور اُمّید ہے کہ اس وقت تک ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ آپ کو یثرب آنے کی دعوت دے سکیں۔

بات معقول اور ہمدردانہ تھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منظور فرمالی۔

اُن کے اسماءِ گرامی یہ[1] ہیں:

رافع بن مالک، عبادہ بن الصامت، ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ، عویم بن ساعدہ، عوف بن حارث بن عفراء، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، جابر بن عبداللہ بن رماب

بیعتِ عقبہ اُولیٰ

وعدہ پُورا کرنے کی بہترین مثال ان چھ حضرات نے اپنے عمل سے پیش کی جو گزشتہ سال دائرۂ اسلام میں داخل ہُوئے تھے۔ باہمی نفرت اور بغض و عداوت کے دہکتے ہُوئے ماحول میں ان حضرات نے ایسے سلیقہ سے کام لیا کہ معرکہ بعاث کے اشتعال انگیز تذکرہ کے بجائے ہر ایک گھر میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا چرچا ہونے لگا اور جب حج کا زمانہ آیا تو بارہ افراد نے اپنے آپ کو محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کر دیا مگر یہ پیشی نہایت رازداری کے ساتھ ہُوئی۔

مکّہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر منیٰ کا میدان ہے۔ جہاں ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک زائرینِ بیت اللہ کا اجتماع ہُوا کرتا ہے۔ اس وسیع میدان میں وہ جگہ بھی ہے جس کو عقبہ کہتے ہیں جو شہر مکّہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر[2] ہے۔ اسی کے قریب ایک گھاٹی میں یہ حضرات جمع ہوتے ہیں۔ چاندنی رات

---

[1] (الف) ابن سعد نے چند روایتیں پیش کی ہیں اور ہر روایت میں کچھ نام شمار کرائے ہیں ہم نے مکرر نام حذف کر دیے ہیں۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ص ۱۳۵ تا ص ۱۴۷ ج: ۱ (الجزء الاول من کتاب الطبقات فی السیرۃ الشریفہ النبویہ القسم الاوّل۔)

(ب) ان حضرات میں سے دو بزرگوں کا تعلّق قبیلہ اوس سے ہے۔ ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہما اور باقی چھ حضرات خزرجی ہیں۔

(ج) چھ یا آٹھ کی تعداد میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر اس پر اتّفاق ہے کہ ان سب حضرات نے جو اس وقت بیعت ہُوئے تھے راہِ خُدا میں قتل ہو کر درجہ شہادت حاصل کیا۔ الاستیعاب ص ۱۷۹ تذکرہ رافع بن مالک۔

[2] معجم البلدان۔

ہے۔ نُور کی چادر پھیلی ہُوئی ہے۔ اسی نورانی فضا میں محمدؐ (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) تشریف لاتے ہیں جو سراسر نُور ہیں۔ آپ خُدا واحد کی پرستش کی دعوت دیتے ہیں۔ سُننے والوں کی دلوں کی گہرائیوں سے آمَنَّا کی صدا بلند ہوتی ہے۔ پھر ان سب سے چھ باتوں کا عہد لیا جاتا ہے۔

(۱) ہم صرف خدا واحد کی عبادت کیا کریں گے کسی کو اس کا شریک نہیں مانیں گے۔

(۲) چوری نہیں کریں گے۔

(۳) زنا نہیں کریں گے۔

(۴) اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

(۵) کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے (جھُوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔)

(۶) آپ جس اچھّی بات کا حکم فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ (نافرمانی نہیں کریں گے[1])

یہ معاہدہ عمل کرنے کے لیے تھا۔ عمل کرنے کے لیے معلّم اور مربّی کی ضرورت تھی۔ ان لوگوں نے معلم کی درخواست کی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک باعمل معلّم کو اُن کے ساتھ کر دیا یہ سیّدنا حضرت مصعب بن عمیرؓ ہیں۔ دولت مند گھرانے کے چشم وچراغ۔ ناز و نعم میں پلے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر چلا کرتے تھے تو آگے پیچھے ہٹو بچو کہتے ہُوئے غلام دوڑا کرتے تھے بدن پر سینکڑوں درہم سے کم کا لباس نہیں ہوتا تھا جو طرح طرح کے عطر سے معطر ہوتا تھا مگر جب دولتِ اسلام سے مالامال ہُوئے تو دولتِ دُنیا اُن کی نظر میں گرد بن گئی۔ رُوح نے وہ لذّت پائی کہ ساز و سامان بار لگنے لگا۔ اَب معلّمِ خیر کا لباس ایک کمبل تھا۔

مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے یہاں اُن کا قیام ہُوا۔ اُس وقت تک جتنا قرآن نازل ہو چُکا تھا، وہ لوگوں کو یاد کراتے۔ سمجھاتے۔ اس پر عمل کراتے۔ لوگ اُن کو مقرِیؓ[2] کہا کرتے تھے۔

نیا دارِ ہجرت

اَب تک حبش دارِ ہجرت تھا۔ اس بیعت کے بعد ایک دار ہجرت کا اضافہ ہوگیا۔ مکّہ کو خیرباد کہنے والے اَب یثرب آنے لگے۔

---

[1] بخاری شریف ص ۵۵ [2] ابن سعد و استیعاب وغیرہ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارادۂ ہجرت

ماہ شوال ختم ہو رہا تھا۔ ذی قعدہ[1] شروع تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ اجازت لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ توقف کیجیے اُمید یہ ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔ حضرت ابوبکر نے یہ ارشاد سُنا تو تعجب[2] ہوا، مکرر دریافت کیا۔ کیا آپ کو یہ توقع ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں اُمید تو یہی ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اس سے زیادہ مسرت کی بات کیا ہو سکتی تھی کہ شرف رفاقت حاصل ہو۔ آپ نے اس وقت ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے آقا کے ساتھ سفر کرنے کی تیاری شروع کر دی فوراً دو عمدہ سانڈنیاں خرید لیں[3] اور اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت حکم ہو جائے۔ ان سانڈنیوں کو چرواہے کے حوالے نہیں کیا بلکہ گھر پر کھڑا رکھا اور بازار سے چارہ خرید کر کھلاتے رہے۔ اس انتظار میں چار ماہ گزر گئے۔ اس اثناء میں بیعتِ عقبہ ثانیہ بھی ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

صدیق اکبرؓ نے دو سانڈنیاں ہی نہیں خریدیں بلکہ سفر کا نقشہ ذہن میں جما کر ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کر لیں۔ حتّٰی کہ سفر میں ایک تحریر لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو تحریر کا تمام سامان ساتھ تھا۔ ٹھنڈے پانی کا اور نہ صرف پانی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پلانے کے برتن کا بھی یہ انتظام تھا کہ اس کے مونہہ میں کپڑا بندھا رہتا تھا۔ جیسا کہ سراقہ جعشم کے واقعہ میں آئندہ معلوم ہوگا۔ (انشاء اللہ)

---

[1] بخاری شریف وغیرہ کی روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چار ماہ تک ان سانڈنیوں کو گھر پر رکھ کر چارہ کھلاتے رہے جن کو آپ نے سفرِ ہجرت کے لیے خریدا تھا۔ سفرِ ہجرت ربیع الاوّل کے آغاز میں ہُوا تو ان سانڈنیوں کو شوال کے آخر یا ذیقعدہ کے شروع میں خریدا ہو گا۔

[2] ابھی تک بیعتِ عقبہ ثانیہ نہیں ہوئی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی گفتگو ہوئی اور حضرات انصار سے عہد لیا گیا۔

[3] بخاری شریف ص ۵۵۳۔

(قسط: ۹)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ـــــــہ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشا کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچادیں، اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

اور ایک افراتفری کی۔ یہ تھے وہ ذائقے اسی کے لیے توڑائی ہوتی تھی۔ یہ کل ذائقے چکھ لیے، یہ کل کائنات تھی تمہاری لڑائی کی اور جس کائنات کا ہم نے وعدہ کر رکھا ہے اور جن نعمتوں اور لذتوں کا اب وہ چکھو تو اس وقت حیرانی ہو گی مخلوق کو . . .

جب مٹی ملا ہوا گھونٹ اس قدر ذائقہ رکھتا ہے، تو جب مٹی بالکل صاف ہو کر خالص ذائقہ دیں گے تو اس میں کیا کیفیت ہو گی اور کیا سرُور ہو گا؟ لیکن اس سرُور کو سمجھانے کے لیے پہلے یہاں کے مزے چکھا دیں گے کہ اب تقابل کر و کہ کیا چیز ہم نے چھڑوائی تم سے اور کیا ہمیں دینا ہے ؟

دُنیا میں جو لذّتیں چھڑوائی گئی تھیں وہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانے کے لیے چھڑوائی گئی تھیں ۔

ہم اگر چھڑوا رہے تھے دُنیا کی لذّتیں تو معاذ اللہ تمہارے ساتھ عداوت نہیں تھی، بلکہ یہ تھا کہ ادنیٰ کو چھوڑ کر اعلیٰ

کی طرف جاؤ۔ جنہوں نے چھوڑا انہوں نے تو پایا اسے ، اور جنہوں نے نہیں چھوڑا تو بیچ میں دھکے کھائے اس چیز کے تئیں ، مگر بہرحال جب وہ بھول بھال چکے اب ہم وہ اپنے ذائقے چکھاتے ہیں ، مگر یاد دلانے کے لیے پہلے ان ذائقوں کو سامنے کیے دیتے ہیں ، تاکہ تمہیں قدر محسوس ہو جنّت کی ، تو بہرحال اہلِ جنّت کو جنّت میں تین دن مہمان رکھا جائے گا اور اس میں غذا وہ دی جائے گی جس سے وہ مانوس تھے اور برسہا برس کھاتے ہوئے آ رہے تھے ۔ تین دن کے بعد جب مہمانی ہو جائے گی پوری ، تو قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ارشاد فرما دیتے کہ اب نکلو جنّت سے کہ بس تین دن کی مہمانی ، تین دن سے زیادہ کوئی ذمّہ داری نہیں ، لیکن کریم کی شان سے یہ بعید ہے کہ کوئی نعمت دے کر پھر اسے واپس لے ۔ اس لیے فرمائیں گے کہ جس نے جس محل پر قبضہ کیا آج سے ابد الآباد تک وہ محل اسی کا ہے ۔ وہ سارا رقبہ اسی کا ہے ۔ اب ہم واپس نہیں لیں گے ۔ یہ کریم کی شان سے بعید ہے کہ گھر میں رکھ کر اور پھر کہے نکلو گھر سے ۔ بس جس گھر میں آ گئے وہ آج سے تمہارا گھر ہے اور وہ محل کوئی چھوٹا موٹا نہیں ہو گا ۔

ادنیٰ سے ادنیٰ جنّتی کو جو جنّت ملے گی وہ دس دُنیاؤں کے برابر ہو گی ۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنّتی کو جو رقبہ اور حصّہ دیا جائے گا وہ دس دُنیا کے برابر ہو گا ، گویا دس دُنیائیں بن جائیں اس کے اندر سے مع زمین اور بحر اور برّ اور پہاڑوں سے تو دہ گنا ہو گا ۔ اس لیے کہ اللہ نے دس گنا کا اجر بھی رکھا ہے دُنیا میں ۔ الحسنۃ بعشر امثالھا ۔ ایک نیکی کرو گے تو دس نیکیاں ملیں گی ۔ یہ ضابطہ کا اجر ہے اور دس سے بڑھا دیں تو یہ ان کے فضل سے بعید نہیں ۔ چاہے سات سو گنا کر دیں چاہے ہزار گناہ کر دیں ، مگر دس گنا وہاں قاعدے میں داخل ہے ۔ ضابطہ میں اسی قاعدے کے مطابق کم سے کم حصّہ دس گنا ہو گا دُنیا کا ۔

جنّت میں جنتی سترّ اقلیم کا بادشاہ ہو گا

یہاں ہفت اقلیم پوری دنیا کی بادشاہت اور اسے دس جگہ جمع کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سترّ اقلیم کا بادشاہ ہو گا آدمی وہاں اور وہ اقلیم بھی وہ کہ جہاں کوئی کدورت نہیں ، کوئی غبار نہیں ، کوئی طمع نہیں ، کوئی پرانا پن نہیں ، بالکل صاف ستھری ابدی نعمت ہو گی اور دس دُنیا کے برابر ، تو یہ حق تعالیٰ کی کریمی ہے کہ مہمان بنا کر داخل کریں گے اور جو جہاں پہنچ گیا پھر اس سے واپس نہیں لیں گے کہ اب یہیں رہو اور ابد الآباد تک رہو ، کوئی تمہیں نکالنے والا نہیں ۔ یہ ہے سرکاری مہمان خانہ اور سرکاری مہمان خانہ ظاہر ہے کہ شاہی محلات

کے قریب ہی ہوتا ہے تاکہ مہمانوں کو بادشاہ کے پاس آنے کونے میں دشواری نہ ہو، دوری نہ ہو۔ جیل خانہ البتہ دُور رکھتے ہیں اس لیے کہ قیدیوں سے ملنے کے کوئی معنی نہیں۔ قیدی تو دُور ہی رہے تاکہ اس کو حسرت ہو کہ میں نعمت کے گھر کے قریب بھی نہیں۔

جیسے سرکاری مہمان خانہ ضروری ہے ویسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے اور سرکاری جیل خانہ کا نام جہنم ہے

تو جیسے سرکاری مہمان خانہ ضروری ہے ایسے ہی سرکاری جیل خانہ بھی ضروری ہے۔ سرکاری جیل خانہ کا نام شریعت کی اصطلاح میں "جہنّم" ہے۔ اس میں وہ رہیں گے جو مجرم اور قیدی ہیں۔ اس کو رکھا گیا ہے ساتویں زمین کے نیچے۔ جنّت رکھی گئی ساتویں آسمان کے اُوپر اور جہنّم رکھا گیا ساتویں زمین کی تہہ میں تاکہ بعید سے بعید ہو جائے وہ اللہ کی رحمت سے اور اس کے قُرب کی لذّت کا تصوّر بھی اس کے قلب میں نہ آسکے اور قید کو اور عذاب کو اچھی طرح سے چکھے، تو بُعد بھی ہوگا اور عذاب بھی ہوگا۔ اوّل تو اللہ سے بعید ہونا بھی ایک مُستقل عذاب ہے اور بعید ہو کر بھی حسّی عذابات بھی ہوں اور یہ عذاب در عذاب اور وہ عذاب ابدی اور دائمی ہوں تو یہ عذاب در عذاب ہے۔ اُوپر، تو بُعد بھی ہوگا، عذاب کی نوعیّت بھی شدید ہوگی اور ابدالآباد کا عذاب ہوگا۔ اس کے بالمقابل سرکاری مہمان خانوں کے لیے قرب بھی انتہائی

جنّت میں زیارتِ خداوندی کے درجات

کہ ہر وقت بادشاہ کی زیارت کر سکیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض تو وہ ہوں گے کہ چوبیس گھنٹے حق تعالیٰ کا مشاہدہ رہے گا۔ جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ ایک لمحہ کے لیے بھی تجلیاتِ خداوندی ان کی نگاہوں سے غائب نہیں ہوں گی۔ ہر وقت اللہ کو دیکھتے رہیں گے اور بعض وہ ہوں گے کہ ہفتے میں دو تین بار زیارت ہوگی۔ جیسے کُمّلِ اولیاء اللہ اور عامۂ مومنین وہ ہوں گے کہ ہفتے میں ایک بار ان کو زیارت کرائی جائے گی۔ دربار منعقد کیا جائے گا۔ انہی سو جنتوں کے اُوپر دریا ہے اور دریا پر عرشِ عظیم ہے اور عرشِ عظیم کے بازو میں ایک میدان ہے جس کا نام ہے .... اس میدان کی بڑائی کا یہ عالم ہے کہ

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جسامت

حضرت جبرئیل علیہ السلام جو سیّد الملائکہ ہیں اور چھ سو بازو کے فرشتہ ہیں۔ چھ سو بازو ہیں اور جُثّہ ان کا وہ ہے کہ اصلی حالت میں حضورؐ نے جو دیکھا انہیں دو دفعہ، ایک دفعہ شبِ معراج میں اور ایک دفعہ وحی کی

آمد کے وقت۔ وہ اس شان سے دیکھا کہ زمین سے آسمان تک جتنی فضا ہے سب بھری ہُوئی ہے جبرئیل کے بدن سے۔ مشرق میں مونڈھا ہے اور مغرب میں دوسرا مونڈھا ہے اور سر آسمان کے قریب ہے اور پیر زمین کے قریب اور ایک نورانی چہرہ ہے جو سورج سے زیادہ روشن ہے اور تاج اُن کے سر کے اُوپر ہے اور سبز ردا (چادر) ہے ان کے بدن کے اُوپر۔ اس شان سے آپ نے دو مرتبہ دیکھا تو اتنے ڈیل ڈول کا فرشتہ حضرت جبرئیل وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں پیدا ہوں اس میدان میں گھومتا ہوں، مگر اب تک مجھے اس کے کناروں کا پتہ نہیں چلا کہ کہاں تک ہے یہ میدان۔ وہ میدان ہے دربارِ خداوندی کا میدان۔

اللہ کی کرسی کی وسعت

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے وسط میں بچھائی جائے گی کرُسی حق تعالیٰ کی، جس کا ذکر ہے قرآنِ کریم میں وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کہ وہ کرسی آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے۔ حدیث میں ہے کہ کرسی جو سامنے ساتوں آسمانوں کے ہے جیسے ایک بڑے میدان میں ایک چھلّا ڈال دیا جائے تو کرسی کی بڑائی اور عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ وہ کرسی بچھائی جائے گی میدان کے وسط میں۔ اس کے چاروں طرف منبر ہوں گے نُور کے، وہ انبیاء علیہم السلام کے ممبر ہوں گے اور گول دائرہ بنایا جائے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام ان پر بیٹھیں گے اور ہر نبی کے ممبر کے پیچھے اس کی اُمّت کی کرسیاں ہوں گی۔ درجہ بدرجہ، جو دُنیا میں جتنا زیادہ اطاعت گزار تھا اتنا ہی قریب ہوگا پیغمبر کے۔ اس کی کرسی اور اس کی سیٹ۔ تو ہفتے میں ایک دن جو جمعہ کا دن ہوگا وہ دربارِ خداوندی کا ہوگا۔ اس دن میں تمام اہلِ جنّت اپنی اپنی سواریوں پر چلیں گے اس میدان میں آنے کے لیے، اور کوئی نیچے کی جنّت میں ہے، کوئی بیچ کی جنّت میں ہے اور کوئی اوپر کی جنّت میں ہے اور سو جنتیں ہیں زمینوں اور آسمانوں سے بڑی، اس لیے ان کو سواریاں دی جائیں گی اور وہ سواریاں براق ہوں گے، رفرف ہوں گے، تختِ رواں گے کہ بڑی بڑی مسندیں بھی وہی ہیں اور قوّتِ خیال سے وہ اڑیں گے۔ کوئی مشین نہیں ہوگی کہ کَل گھمانی پڑے اور پٹرول دینا پڑے۔ اس کا سارا پٹرول مشینری ہماری قوتِ خیال ہوگی۔ اتنی مضبوط بنادی جائیں گی کہ خیال یہ کیا کہ وہاں پہنچیں، پَل بھر میں وہاں پہنچ گئے، پَل بھر میں نیچے آگئے، تو پلوں میں یہ مسافتیں طے ہوں گی، سب جمع ہوں گے اس میدان کے اندر اور فرمایا گیا ہے حدیث میں کہ سیٹیں متعیّن ہوں گی ہر

ایک کی جیسے درباروں میں سیٹیں بنائی جاتی ہیں، تو کارڈ چھپے ہوئے لگے ہوئے ہوتے ہیں جن پر نمبر تک پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بٹھلانے والے اسی نمبر پر بیٹھنے والے کو بٹھاتے ہیں، یہ نہیں کہ کسی دوسری پر کوئی جا بیٹھے۔ اپنی سیٹ پر، وہاں بٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا

ہر شخص اپنی جگہ اپنی طبعی کشش سے پہچان لے گا

حدیث میں ہے کہ ہر ایک شخص اپنے مقام کو اپنی طبعی اور قلبی کشش سے پہچانے گا اور وہیں جا کر رُکے گا جو اس کی سیٹ ہے اور اس کی کرسی، یہ نہیں ہے کہ غلطی کر جائے اس لیے کہ وہ متمثّل ہوں گے وہ مقامات جو اپنے قلب کے مقامات ہیں۔ مقاماتِ قربِ حق تعالیٰ کے کتنے نزدیک ہیں قوتِ ایمانی کے مقامات۔ ہر شخص اپنے مقام کو خود پہچانتا ہے کہ میرا ایمان کس درجہ کا ہے، میرے اخلاق کس مرتبہ کے ہیں۔ وہی اخلاق، وہی مقامات وہ متمثّل کیے جائیں گے سیٹوں کی صورت میں۔ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر بیٹھے گا۔ انبیاء اپنے مقامات پر ہوں گے۔ اب یہ دربار پُر ہو گیا، بھر گیا، کرسیاں ہوں گی اور ان کرسیوں کے پیچھے اس میدان کے کناروں پر بڑے بڑے قالین ہوں گے چبوتروں پر اور چبوترے ہوں گے مشک اور زعفران کے اور ان پر وہ غالیچے ہوں گے۔ عوام الناس جو کم درجہ کا ایمان رکھتے تھے ان کے پاس کرسیاں نہیں ہوں گی، بلکہ وہ ان قالینوں پر بیٹھیں گے۔ اب گویا پورا میدان بھر گیا۔ سیٹیں پُر ہیں۔ انبیاء اپنی جگہ اور کرسی حق تعالیٰ کی خالی۔

دربار منعقد ہونے کے بعد تجلیات کا ظہور ہوگا

جب دربار پُر ہوگا اس کے بعد تجلیّات کا ظہور شروع ہوگا کرسی کے اُوپر، اور یہی طریقہ بھی ہے کہ درباری جب جم جاتے ہیں ایک جگہ تب بادشاہ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بادشاہ پہلے بیٹھے ہوئے ہیں کوئی ہو نہ ہو لوگ آئیں تو بیٹھیں، جب سب جم جاتے ہیں، تب بادشاہ نکلتے ہیں اور سرا پردہ کھولا جاتا ہے اور نقیب اور چوبدار آوازیں دیتے ہیں اور بادشاہ آتے ہیں تو سب تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بادشاہ کے حکم سے کچھ تحائف تقسیم ہوتے ہیں، کچھ کھانے پینے کو دیا جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں بھی ہوگی کہ تجلیات ربانی کا ظہور شروع ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ وہ کرسی باوجود اس عظمت کے اس طرح سے چرچرائے گی کہ جیسے ٹوٹ کر گرنے والی ہے۔ وہ عظمت کا بوجھ ہوگا کوئی جسمانی بوجھ نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے کرسی چرچرائے گی۔ تجلّیات کا

ظہور ہوگا اور بندے اپنے قلوب کی بصیرت سے پہچان لیں گے کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں۔

تجلیات کے ظہور کے بعد جنتیوں کو مشروب پلایا جائے گا

حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے ملائکہ کو کہ جس شراب طہور اور پاک شربت کا ہم نے وعدہ کیا تھا وہ پلاؤ، تو ملائکہ وہ نورانی صراحیاں لے کر شراب طہور تقسیم کریں گے۔ شراب کے معنی ہیں مطلق پینے کی چیز کے۔ اسے شراب نہیں کہتے جو نشے والی ہو۔ اسے خمر کہتے ہیں عربی زبان میں۔ شراب ہر پینے کی چیز کو۔ شربت کو بھی شراب کہیں گے، دودھ کو بھی شراب کہیں گے کہ پینے کی چیز ہے۔ خیر پینے کی کوئی چیز دی جائے گی۔ اس میں سرور کی یہ کیفیّت ہوگی کہ پینے کے بعد یہ محسوس ہوگا کہ غم و الم کا تو ہے ہی نہیں نشان۔ رگ رگ میں فرحت اور سرور بڑھ رہی ہے اور ہر ایک میں ایک عجیب امنگ ہوگی اور معرفت بڑھ جائے گی اور حق تعالیٰ کی پہچان بڑھ جائے گی۔

اس موقعہ پر جناب داؤد علیہ السلام اہل جنّت کو مناجات سنائیں گے۔

اور اسی میں یہ بھی فرمائیں گے حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کو معجزہ دیا گیا تھا آواز۔ اتنی پاکیزہ آواز تھی حضرت داؤد علیہ السلام کی کہ جب وہ مناجاتیں پڑھتے تھے تو چرند اور پرند ان کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے، محو اور مست ہو جاتے تھے۔ یہ معجزہ ہے۔ ان کو فرمایا جائیگا کہ اہل جنّت کو وہ مناجاتیں سُناؤ جو اللہ کی مدح اور ثنا ہیں تمہیں دی گئی تھیں اور داؤد علیہ السلام پیغمبر اور آواز بھی بڑی معجزانہ اور قربِ خداوندی، ملائکہ کا قُرب، اللہ کا قرب اور تعریفِ الٰہی اللہ کی حمد و ثنا۔ وہ جو پڑھیں گے اپنی لے میں تو کیفیت یہ ہوگی کہ تمام اہل جنت گویا گم ہوں گے۔ انہیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، وہ محو ہوں گے حق تعالیٰ شانہٗ میں اور ایک عجیب کیفیت طاری ہوگی مشابہ اس کیفیت کے کہ جو اہل اللہ پر معرفت کے نشے میں کیفیت طاری ہوتی ہے۔ سکر کی اور نشے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ کیفیّت طاری ہوگی کہ جس سے روحانیت ہزار گنا بڑھ جائے گی۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است ... خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

کیسٹ ۴ سائیڈ بی ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک عورت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اُنھوں نے کسی بارے میں گفتگو کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ میرے پاس پھر لوٹ کر آنا۔ وہ کہیں باہر سے آئی ہوئی تھی، مقصد یہ ہوگا کہ ضرورت پڑے تو دوبارہ آجانا یا دوبارہ آکر بتلانا، وہ کہنے لگی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْکَ۔ اگر میں آئی اور آپ کو نہ پایا تو کَاَنَّھَا تُرِیْدُ الْمَوْتَ اُن کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو؟ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَأْتِیْ اَبَا بَکْرٍ[1] اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آجانا۔ اُن سے مل لینا۔ اس میں اشارہ ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا۔

---

[1] مشکوٰۃ، ص: ۵۵۵ بحوالہ بخاری و مسلم

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ایک بڑے ہی سمجھ دار اور بڑے زیرک صحابی تھے، آپ نے سردار بنا کر ایک لشکر اُن کی سرکردگی میں روانہ کیا اُس لشکر کا نام "ذَاتُ السَّلَاسِلْ" تھا۔ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خیال ہُوا کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بہت قریب ہوں۔ آپ کو مجھ سے بہت محبّت ہے تو مَیں دریافت کرلوں جا کر۔ ایک بات تو یہ تھی کہ نبی کریم علیہ الصّلاۃ والسّلام کی جو عام شفقت تھی اس کی وجہ سے بھی خیال ہو جاتا تھا کہ شاید میں محبوب ہُوا ہُوں۔ اور حقیقتاً وہ شفقتِ عامہ ہوتی تھی، لیکن اُن کو تو اس سے بڑھ کر ایک منصب عطا ہُوا ایک لشکر اُن کی سرکردگی میں روانہ کیا جانے لگا تو اس واسطے اُن کے ذہن میں یہ آیا کہ میں اپنا وہ مقام جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں ہے دریافت کرلُوں۔ "وَقُلْتُ اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ"۔ مَیں نے جا کر موقع پا کر یہ بات پُوچھ ہی لی کہ سب سے زیادہ جناب کو کون محبوب ہے؟

قَالَ عَائِشَۃُ جواب دیا عائشہؓ، قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ۔ مَیں نے عرض کیا کہ مردوں میں کون ہے؟ قَالَ اَبُوْھَا۔ فرمایا اُن کے والد یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ اُن کے بعد کون ہیں؟ قَالَ عُمَرُ پھر اُنھوں نے سوال کیا پھر کون، پھر کون، پھر کون؟ وہ نام پُوچھتے ہی رہے اِن کا نام کہیں بھی نہ آیا تو کہتے ہیں دو چار ناموں کے بعد میں خاموش ہو گیا فَسَکَتُّ مَخَافَۃَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ فِیْ اٰخِرِھِمْ[1] کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بالکل آخر میں میرا نمبر آئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا نام ہے محمّد ابن حنفیہؒ وہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد سے پُوچھا اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سب سے افضل آدمی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کون ہیں؟ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ، تو اُنھوں نے کہا ابوبکر، قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ اُن کے بعد کون ہے؟ قَالَ عُمَرُ۔ عمر، اَب صاحبزادے کہتے ہیں کہ مَیں نے خیال کیا کہ اَب کے مَیں پُوچھوں گا تو اَب کی دفعہ نام لے دیں گے عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ وَخَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ، قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ؟ تو اس واسطے مَیں نے خود ہی پہل کی اور مَیں نے کہا اُن کے بعد تو پھر آپ۔ تو اُنھوں نے اپنے بارے میں فرمایا۔ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ[2] مَیں تو ایک عام مُسلمان آدمی ہوں بس۔ مُسلمانوں میں ایک عام آدمیوں میں داخل ہُوں۔

---

[1] مشکوٰۃ ص: ۵۵۵ بحوالہ بخاری ومسلم [2] مشکوٰۃ ص: ۵۵۵ بحوالہ بخاری ومسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں (کہ ہم) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ابوبکرؓ کے برابر تو کسی کو بھی نہیں سمجھتے تھے پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان، "ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَ سَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَیْنَھُمْ" [1] ان کے علاوہ پھر باقی صحابۂ کرام کے بارے میں گفتگو بھی نہیں ہوتی تھی کہ کون اُن میں افضل ہے کون افضل نہیں اس بارے میں کوئی بات نہیں کیا کرتے تھے اس میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات ہی میں ہم لوگ یہ کہا کرتے تھے "اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَہٗ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ" [2] رضی اللہ تعالیٰ (عنہم) آپ حیات تھے جب ہم یہ باتیں کیا کرتے تھے کہ سب سے افضل جو ہیں وہ تو ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں. ان تین حضرات کے اندر تو ترتیب ذہن میں اسی طریقے پر بنی ہوئی تھی۔

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَ قَدْ کَافَیْنَاہُ

ہمارے پاس (اُوپر) جس کا بھی احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ دے دیا کمی نہیں کی، مَا خَلَا اَبَا بَکْرٍ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، فَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِئُہُمُ اللّٰہُ بِھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اُن کا ہمارے ساتھ ایسا حُسنِ سلوک ہے اور احسان کا معاملہ ہے کہ اُس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کو دے گا۔ ارشاد فرمایا: وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے فائدہ پہنچا۔ کچھ روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مالی معاملات میں بھی دخل دے لیا کرتے تھے اور ایسے دخل دے دیتے تھے جیسے اپنا ہی مال ہو اور یہ بہت مشکل کام ہے بہت ہی قُرب کی دلیل ہے وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔ اگر میں کسی کے بارے میں یہ کہتا کہ وہ میرا خلیل ہے خلیل کا مطلب یہ کہ جس کی محبّت دل کی گہرائیوں میں اُتری ہوئی ہے تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل کہتا۔ اَلَا وَ اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ" [3] یہ جو میں ہوں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں یہ اللہ کا خلیل ہے۔ اللہ ہی سے اس کو تعلّق ہے اس قسم کا، باقی اور مخلوق میں کسی سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ جو دل کی گہرائیوں میں اُترا ہوا ہو پیوست ہُوا ہو یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں اُنکا ساتھ نصیب فرمائے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص: ۵۵۵ بحوالہ بخاری [2] مشکوٰۃ ص: ۵۵۵ [3] مشکوٰۃ ص: ۵۵۵

(قسط : ۱)

فراستِ مومن

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

انسانی بدن پر ایک سرسری نظر ڈالو۔ اس کے جوڑ اور اعضاء دیکھو۔ سارے بدن کے جوڑ معلوم کرنا یا اُن کے ناموں کا اِحصاء تو کسی تودۂ ریگ کے ذرات کے احصاء سے یقیناً کم نہیں، لیکن اگر بنظر تعمق دیکھو تو غالباً کسی ایک عضو کے جوڑ اور اس کے مختلف کاموں کا بھی تم احاطہ نہ کر سکو گے۔ جب ایک ایسی چیز میں تمہاری عقل اس قدر عاجز ہے کہ جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، خود اس سے ہر ساعت اور ہر آن میں کام لیتے ہو، اس کا اچھا ہونا، بُرا ہونا۔ تمہارا اچھا ہونا بُرا ہونا کہا جاتا ہے، تو ان چیزوں کی نسبت کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ جو نہ صرف تمہاری باصرہ کے قبضۂ قدرت سے خارج ہیں، بلکہ اگر تمہارے حواسِ خمسہ بھی اپنی اجتماعی قوت سے کام لے کر اُن کے درپے ہوں تو اُن کی تحقیقات نہیں کر سکتے ہیں۔

ان چیزوں سے ہمارا اشارہ ان قوتوں کی طرف ہے جن کو صانع مطلق کے یدِ قدرت نے عموماً حیوانی بدن خصوصاً انسانی بدن میں وَدِیْعَتْ فرمادیا ہے، بے شک تم نے حواسِ خمسہ باطنہ کا نام سُنا ہوگا ان حواس خمسہ باطنہ کے اپنے اپنے فرائض اُن کے مختلف آثار کی تحقیقات بھی کی ہوگی یا حکماء محققین کی کتابوں میں پڑھی ہوگی، لیکن کیا تم نے یہ سفیہانہ اعتقاد کر لیا ہے کہ ان حواسِ خمسہ باطنہ کے علاوہ اور کوئی خاص قوت انسان میں نہیں ہے یا اگر ہے تو قابلِ ذکر نہیں۔ اگر فی الحقیقت تم نے ایسا عامیانہ اور کورانہ اعتقاد کر لیا ہے تو یقیناً تم نے مُبْدِعِ عالَم کی صنعت، قدرت، حکمت وغیرہ کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور تم یقیناً اس تالاب کے مینڈک کی طرح ورطۂ جہالت میں مُبتلا ہو جس کو کسی طرح یقین بھی نہ آتا تھا کہ اس تالاب سے زیادہ پانی بھی ہو سکتا ہے؟

تو وَفِي التَّجَا رُبِ بَعْدَ الْغِنَيّ مَايَنْ عُ کے موافق تم کو معلوم ہو سکے گا کہ جس طرح تم اعضاءِ بدنِ انسان اور اس کے جوڑوں کے معلوم کرنے سے عاجز تھے اور اس سے بدرجہا ان قوتوں کو معلوم کرنے سے عاجز ہو جو تم میں موجود ہیں آخر کوئی بات تو تھی جس کی وجہ سے۔

وَفِي الْاَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانیوالوں کو
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اور خود تمہارے اندر۔

فرمایا گیا ہے۔ کیا تم کو یہ بات بھی کچھ حیرت میں نہ ڈالے گی کہ خداوند عالم نے جس طرح کے ایک طرف ارض اور مافی الارض کو دلیل قرار دیا، اسی طرح خود تمہارے وجود کو بھی مستقل دلیل قرار دیا؟ کیا یہ آیت بھی تم کو نہیں بتاتی کہ تم میں یدِ قدرت نے وہ وہ خزانے ودیعت کیے ہیں کہ جن کو تم اگرچہ بتمامہٖ معلوم نہ کرسکو، لیکن پھر بھی بحرِ تحیر میں غوطہ زنی کرلے اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لانے کے لیے اچھا خاصا سبب بننے کے لیے کافی ہیں۔؟

کیا اب بھی تم اس کا اقرار نہ کرو گے کہ جس بدن سے تم ایک ذلیل غلام سے زیادہ اطاعت کراتے اور اس کو اپنی آنکھ کے اشارے پر چلاتے ہو، تم اس کی حالت سے بالکل ہی ناواقف ہو۔

نظرے بسوئے خود کن کہ تو جان دلربائی مفگن بخاک خود را کہ تو از بلند جائی
تو ز چشم خود نہانی تو کمال خود چہ دانی چو دُرّ از صدف بروں آ کہ بسے گرانبہائی

عرب کا ایک جاہل گنوار اُونٹ کی مینگنیاں۔ قدموں کے نشانات دیکھ کر خالقِ عالم کے وجود پر استدلال کرتا اور بے اختیار زبان سے کہہ دیتا ہے۔

اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَآثَارُ الْاَقْدَامِ عَلَى الْمَسِيْرِ فَهٰذِهٖ السَّمَآءُ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَّالْاَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ كَيْفَ لَا تَدُلُّ عَلَى اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ۔

اُونٹ کی مینگنی اُونٹ پر اور قدموں کے نشانات چلنے پر قطعی دلیل ہوتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور مختلف راستوں والی زمین خدائے لطیف اور خبیر کے وجود پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

کیا وہ قلوب جن پر

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً، یاد رکھو کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے

اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

جب وہ دُرست ہوتا ہے، تو سارا بدن دُرست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہوتا ہے سُنو! یہ ٹکڑا انسانی قلب ہے۔)

کے موافق بدن کی صلاح وفساد کا مدار اسی لیے ہیں کہ اُن سے کچھ نہ سمجھا جاوے۔ اور

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا

اُن کے پاس دل ہیں، مگر وہ اُن سے سمجھ کا کام نہیں لیتے ہیں۔

کا مصداق اپنے آپ کو بنا لیا جاوے ؟ کیا وہ چمکتی ہوئی آنکھیں جو بال سے زیادہ باریک چیز دیکھ لینے کی مدعی ہیں وہ اسی لیے عطا کی گئی ہیں کہ دستِ قدرت کی ان کاریگریوں سے اُن کو بند کر کے۔

لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا۔

اُن کے پاس آنکھیں ہیں، مگر یہ لوگ اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے ہیں۔

کا محمل بنا لیا جاوے ؟ "نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ تم کو یہ سارے سامان اسی لیے عطا فرمائے گئے ہیں کہ تم اُن کو اسی کام میں لگاؤ، جس کام کے لیے ہیں ان سامانوں کے حاصل کر لینے کے بعد بھی اگر تم نے ان کو بیکار ہی رکھا تو فی الحقیقت تم اس خلافت کے مستحق نہیں جس کے لیے تمہارا وجود ہُوا تھا اور جس کے لیے دبی زبان سے خود ملائکہ مقربین نے اپنا استحقاق۔

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ

اور ہم پڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو۔

کہہ کر جتایا تھا۔ بے شک توحیدِ خالق۔ رسالتِ انبیاء۔ تصدیقِ کتبِ سماویہ بعث بعد الموت غرضکہ تمام ضروریاتِ مذہب کے دلائل تمہاری آنکھوں کے سامنے قطراتِ بارش سے زیادہ موجود ہیں اور تم اپنی اس چند روزہ زندگی پر ایسے کچھ مغرور ہو رہے ہو کہ کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

اے دل بکوئے دوست گذاری نمے کنی ۔۔۔ اسباب جمع داری و کارے نمی کنی

چوگاں بدست داری وگوئے نمی زنی ۔۔۔ بازے چنیں بدست و شکارے نمی کنی

الحاصل انسانی بدن میں کچھ ایسی باطنی قوتیں بھی ہیں کہ جو اُس کے لیے نہایت ضروری ہیں، اور

بغیر اُن کے کسی استحقاق کے اپنی دولت علیٰ السّویہ تقسیم کر کے اُن کو تجارت کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اُن میں سے کوئی تو اپنے حصّہ کے مال کو اَضعافِ مُضاعَف کر کے واپس لاتا اور اپنے آقا کی رضا جس سے زیادہ غلام کے لیے کوئی فخر ہو ہی نہیں سکتا حاصل کرتا ہے اور کوئی اپنی جہالت وغباوت، عدمِ توجّہی سے اصل راس المال کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تمام قوّتوں کا ذخیرہ منعم حقیقی کی طرف سے ہر ہر فردِ انسانی کو برابر ملا ہے، لیکن کوئی لذائذِ جسمانی اور شہواتِ نفسانی میں مُبتلا ہو کر ان قوّتوں کو ضائع کرتا اور غضبِ الٰہی میں گرفتار ہوتا ہے اور کوئی اُن سے وہ کام لیتا ہے کہ جس کا اُس کو امر کیا گیا تھا اور اس وجہ سے وہ ان مراتب علیا پر فائز ہوتا ہے جن کو

لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ — نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ
وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ — کسی قلب میں اُن کا خیال آیا۔

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انعامات کی تقسیم اور بغیر کسی استحقاق کے عطاءِ کثیر میں خلّاقِ عالم کی طرف سے کوئی کمی نہیں، اگر اس میں قصور ہے تو ہمارا ہے کہ ہم نے اُن کو ضائع کر دیا۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا — ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے اپنے
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ — نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔

ان تمام باطنی قوّتوں میں سے کہ جن کا احاطہ کرنے سے مدارکِ انسانی بالکل ہی عاجز ہیں ایک وہ قوّت بھی ہے جس کو فراست سے تعبیر کیا جاتا ہے اس وقت ہماری بحث کا موضوع یہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کی حقیقت بتانے کے بعد اُس کی کمی اور زیادتی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالیں واللہ الموفق۔

فِراست کے لغوی معنی نظر جما کر دیکھنا اور باطن کا حال معلوم کر لینا۔ فراست اُس قوّت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے انسان ضعیف سے ضعیف اسباب کی طرف توجہ کرنے کے بعد مُسبّبات کے منتہیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور جو چھوٹی چھوٹی چیزیں دوسروں کی نظر میں حقیر اور ہیچ معلوم ہوتی ہیں اس قوّت کے ذریعہ سے اُنہیں کی نسبت اُس کا یقین کر لیا جاتا ہے کہ یہ آگ کی اس چھوٹی سی چنگاری کی طرح پر ہے جو ترقّی کرتے کرتے بڑے بڑے درختوں کو جلا سکتی ہے اور بڑے بڑے آباد

شہروں کو خاکستر کر سکتی ہے۔

اگر تم نے اس کو غور سے سُنا ہے تو غالباً تم کو کشف اور فراست کے فرق میں بھی کوئی اشتباہ نہ رہا ہوگا، کیونکہ فراست کے لیے اسباب کا وجود ضروری ہے، اگرچہ وہ کسی درجہ کے حقیر اور ضعیف کیوں نہ ہوں، لیکن کشف کے لیے اسباب کا ہونا ضروری نہیں۔ کشف میں بغیر کسی ظاہری سبب اور کسی دلیل کے دل میں کوئی بات پڑ جاتی ہے، بعض اکابر کی نسبت صحیح طور سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اُن کی خدمت میں بعض اشخاص نہایت عقیدت مندانہ صُورت میں بیعت کے لیے حاضر ہُوئے، مگر اُنہوں نے باوجود خاص خاص خدّام کی سفارشوں کی بھی درخواستِ بیعت کو منظور نہ فرمایا۔ اس کے بعد جب اُن کے حالات کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہُوا کہ فی الحقیقت وہ شخص خبیث الباطن تھا۔ یہ فراست نہ تھی۔ یہاں خبثِ باطن کے اسباب کا موجود ہونا تو درکنار عقیدت اور صلاحیت پر دلالت کرنے والے اسباب موجود تھے، لیکن اس پر بھی قلبِ مُصَفّٰی میں اس عقیدت کا عکس ثابت ہُوا، یہ حقیقت ہے کشف کی! فراست خداوندِ عالَم کا ایک عام عطیہ ہے جو ہر مُسلمان کو عطا ہوتا ہے اور جو شخص جس قدر طاعات اور اعمالِ صالحہ میں شغف رکھتا ہے اسی قدر اُس کی یہ قوّت ترقّی کرتی جاتی ہے۔ مؤمنین کی کسی خاص جماعت کے ساتھ اُس کا تعلّق نہیں، بلکہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین غرض یہ کہ ساری جماعتیں اس سے مستفید ہوتی ہیں۔

فراست کی مقنع حقیقت ہم بیان کر چکے ہیں اور زیادتی توضیح کی غرض سے ہم نے فراست اور کشف کا فرق بھی ظاہر کر دیا، لیکن ابھی اس پر بعض شُبہات ضرور وارد ہوتے ہیں اُن کا ازالہ تکمیلاً للبحث ضروری ہے۔

(۱) بعض متّقی اور پرہیزگار بھولے بھالے ہوتے ہیں اُن میں فراست کیوں نہیں ہوتی۔

یہ بالکل غلط ہے کہ اُن میں فراست نہیں ہوتی، ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے، لیکن جس طرح کہ کبھی غایتِ فکر میں انسان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور باوجود آنکھوں کے کھلے ہونے کے وہ مشغولی قلب کے باعث کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کے سامنے سے گزرنے والے گزر جاتے ہیں اور اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون آیا اور کون گیا بالکل

یہی حالت فراست کی ہے۔ بسا اوقات متقی اپنی فکرِ آخرت میں ایسا منہمک اور مشغول ہوتا ہے کہ اُس کو ان اسباب کی طرف توجّہ ہی نہیں ہوتی جس سے وہ امورِ عظام کے نتیجہ تک پہنچ جاوے اور چونکہ فراست کا مدار اسباب پر ہے، پس جبکہ اسباب ہی کی طرف توجّہ نہ ہُوئی، اُس سے آگے قدم کیوں کر بڑھایا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ اُن میں فراست ضرور ہوتی ہے۔ اگرچہ بے توجّہی مانعِ تاثیر ہو۔

(۲) کفّار میں فراست کیوں ہوتی ہے؟

کفار کی دانائی اور مومنین کی فراست میں وہی فرق ہے جو کرامات اولیاء اور استدراج میں ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خوارقِ عادات کفّار سے بھی صادر ہوتے ہیں۔ اگر دیکھا ہے تو بتاؤ کہ کرامت اور استدراج میں کیا فرق ہے؟ صرف یہی کہ کرامت نام ہے اس خرقِ عادات کا جو متبعِ شریعت پابند سُنّت سے صادر ہو اور استدراج نام ہے اس خرقِ عادت کا جو غیر متبعینِ شریعت سے صادر ہو۔ یہی فرق کفّار کی دانائی اور مومنین کی فراست میں ہے کہ اگر وہ متبع شریعت سے ہو تو فراست ہے، ورنہ محض عقل کی تیزی۔ علاوہ ازیں ایک فرق اور بھی ہے، مومن کی فراست (بشرطیکہ فراست ہو) میں خطا نہیں ہوتی یا اگر ہوتی ہے تو بہت کم، لیکن کفّار کی دانائی بسا اوقات ٹھوکریں کھاتی ہے۔ تیسرا فرق یہ بھی ہے کہ مومن اپنی فراست کے ذریعہ سے اسبابِ خُفیہ سے مسببات عظیمہ تک پہنچتا ہے اور کفّار کی نظریں اسی حد تک محدود رہتی ہیں جس حد تک وہ اسباب ہیں اگر اسباب ضعیف ہیں تو اُن کی نظریں بھی ضعیف مسببات تک نہیں پہنچ سکیں گی اور اگر وہ اسباب قوی ہیں تو وہ نظریں بھی مسببات قویہ تک پہنچ سکیں گی۔ الحاصل فراست میں صاحبِ فراست کو اسباب سے تعلق کم ہوتا ہے اور دانائی میں زیادہ یہی وجہ ہے کہ فرمایا جاتا ہے۔

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ — مُسلمان کی فراست سے بچتے رہو اس واسطے کہ وہ خُداوندی نُور سے دیکھتا ہے۔

اس لیے کہ جب نُورِ الٰہی کے ذریعہ سے معلوم کیا گیا تو غلطی کا احتمال بعید ہے اور اسی وجہ سے اسباب کے قوی تعلّق کی بھی زیادہ ضرورت نہیں۔

فراست کا یہ عطیہ کبھی خاص مصلحتوں کے اقتضاء کی وجہ سے زیادہ اور کم بھی کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک وہ شخص ہے جو صرف اپنے گھر کی نگہداشت کرتا ہے۔ دو چار دس پانچ بال بچے اُس کی

تربیت میں ہیں۔ ایک وہ مدرسہ کا مہتمم ہے جس کو ہزار دو ہزار طلباء کے اہتمام کی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ ایک وہ رئیس ہے جس کے قبضہ میں بہت سی مخلوق کا مال دے دیا گیا ہے۔ ایک وہ بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں ایک ولایت ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی ضرورتیں بنا رہی ہیں کہ فراست کے درجہ میں ان عوارض کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تفاوت ضرور ہونا چاہیے، اگرچہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو۔

اَب ہم مختصر طور پر دو واقعوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جن سے کشف اور فراست کا فرق معلوم ہوجاوے اور یہ بھی معلوم ہوجاوے کہ کشف اور فراست مبائن نہیں، بلکہ یہ دونوں کسی ایک شخص میں جمع ہوسکتی ہیں۔

(۱) وہ واقعہ تو مشہور ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو جہاد کی غرض سے روانہ کیا۔ اسی زمانہ میں فاروق اعظمؓ نے کسی جمعہ کی نماز کا خطبہ پڑھتے پڑھتے یَاسَارِیَةَ الْجَبَلَ یَا سَارِیَةَ الْجَبَلَ زور زور سے فرمانا شروع کیا۔ حاضرینِ نماز کو حیرت تھی۔ تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ مُسلمانوں کا لشکر جہاد میں مصروف تھا کہ کفّار کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ پہاڑ کی پشت پر ہوکر مُسلمانوں کو سختی سے گھیر لیں۔ حضرت فاروق اعظم پر یہ واقعہ بغیر کسی ظاہری سبب کے منکشف ہُوا اور سردار لشکر کو اطلاع دی۔ یہ حقیقت میں کشف تھا جس کے لیے کسی سبب ظاہری کی ضرورت نہ تھی۔ اَب ہم دوسرا واقعہ سُنائیں جس سے فراست کا حاصل معلوم ہوسکے۔

(۲) فاروق اعظمؓ اپنے زمانہ خلافت میں دار الخلافت یعنی مدینہ منوّرہ کی گلیوں میں تجسّسِ حالات کی غرض سے محافظوں کی طرح گشت کر رہے تھے۔ اتّفاقًا پردہ میں سے کسی عورت کو یہ شعر گنگناتے ہُوئے سُنا۔

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلَى الْخَمْرِ فَاَشْرَبُهَا ... اَمْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلَى نَصْرِ بْنِ حَجَّاجِ

اِلٰى فَتًى مَاجِدِ الْاَعْرَاقِ مُقْتَبِلٍ ... سَهْلُ الْمُحَيَّا كَرِيْمٌ غَيْرُ مِلْجَاجِ

تَنْمِيْهِ اَعْرَاقُ صِدْقٍ حِيْنَ تَنْسِبُهٗ ... اَخِىْ حِفَاظٍ عَنِ الْمَكْرُوْبِ فَرَّاجِ

سَامِى الْمَوَاطِنِ مِنْ بَهْزٍ لَهٗ نَهَلٌ ... تُضِىْٓءُ صُوْرَتُهٗ لِلْحَالِكِ الدَّاجِىْ

کیا کوئی ایسی صُورت ہے کہ مجھ کو تھوڑی سی شراب مل جاوے تاکہ میں اُس کو پی لوں یا کوئی صُورت ہے کہ میں نصر بن حجاج تک پہنچ سکوں۔ وہ ایک جوان شریف الاصل نئی جوانی والا ہے۔ نرم

چہرہ والا لڑائی جھگڑے میں) چمٹ نہ جانے والا۔ اس کے آباء و اجداد کی شریف رگیں اس کو بلند کرتی ہیں جب تم اس کا نسب بیان کرو۔ وہ غیرت اور حمیت والا ہے مصیبت کو دور کرنے والا ہے۔ عزت والے وطن والا ہے۔ قبیلہ بہز سے ہے، وہ پیاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ اس کی صورت سیاہی میں مبتلا ہونے والے کے سامنے چمک دمک دکھاتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خود اس دار الخلافت میں بھی تیری حیات میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کا نام لے کر جوان عورتیں اپنے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالتی ہیں۔ واپسی کے بعد آپ نے حکم دیا کہ نصر بن حجاج کو حاضر کیا جاوے۔ نصر بن حجاج بن علاط اگرچہ نوعمر تھے، مگر چونکہ ان کے والد ماجد کو صحبتِ سرورِ انبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فخر حاصل تھا، اس لیے ساکنانِ مدینہ میں بوجہ صاحبزادگی کے خاص عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ فاروق اعظم رض کے حکم کے موافق دربار خلافت میں حاضر کیے گئے فاروق اعظم رض نے اُن پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ صاحبزادے نوجوان بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کے خوبصورت بھی بڑی بڑی آنکھیں لانبی لانبی سیاہ زلفیں سر پر، غرض یہ کہ خوبصورتی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ فاروقِ اعظم رض نے حکم دیا کہ ان کے بال کاٹ دیے جاویں، بالوں کے کٹوانے کا حکم صادر فرمانے سے فاروق اعظم رض کا منشا یہ تھا کہ بالوں کے نہ ہونے کی وجہ سے خوبصورتی میں کمی آجاوے گی تاکہ ان کی وجہ سے عورتوں میں فتنہ پھیلنے کا اندیشہ باقی نہ رہے، مگر بالوں کے صاف ہو جانے سے اُن کی چوڑی چکلی پیشانی کو بدرِ شبِ چہاردہم کی طرح چمکا دیا جس سے اس اندیشہ میں کمی نہ ہوئی بلکہ زیادتی ہوتی گئی، فاروقِ اعظم رض نے اس پیشانی کو چھپانے کے لیے حکم دیا کہ تم عمامہ باندھا کرو، چنانچہ اُنھوں نے امتثالاً للامر عمامہ باندھنا شروع کر دیا، مگر خوبصورتی کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کو انسان کسی طرح چھپا سکے سر پر عمامہ نے سونے پر سہاگا کا کام دیا۔ سر پر عمامہ نشیلی آنکھیں، اُن کی اس وضع پر عورتوں کی نظریں کچھ زیادہ پڑنے لگیں، فاروق اعظم رض نے جب دیکھا کہ اس فتنہ کو جس قدر دبایا جاتا ہے اسی قدر زیادہ اُچھلتا ہے اس لیے اُن کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم اس شہر میں نہیں رہ سکتے ہو جس میں میں رہتا ہوں۔ نصر بن حجاج تاڑ گئے کہ میرے اخراج کا حکم امیر المؤمنین دے رہے ہیں گھبرا کر عرض کیا کہ امیر المؤمنین میں کس جرم میں جلاوطن کیا جا رہا ہوں، فرمایا کہ جرم وغیرہ کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں، ایسا ہی ہو گا جو کہ میں کہہ رہا ہوں، چنانچہ اُن کو بصرہ روانہ کر دیا۔ (باقی آئندہ)

(تیسری اور آخری قسط)

الدّاعی الکبیر

بانی تبلیغی جماعت

حضرت مولانا محمدّ الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عرفان صاحب، فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ

"ایمان اور طلبِ دین کی عمومی تحریک"

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی کا وہ جوہر کہ جس نے اُن کو خدمت دین کے لیے اس بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔ وہ بلند ہمتی ہے، خدمتِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کی کسی ابتدائی منزل پر مولانا کی طبیعت کو قرار نہ ہوتا تھا جب تک اس کو اپنی منزل نہ مل گئی آپ نے دم نہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ مکاتب کے ذریعہ جو اصلاح و تعلیم کا کام ہو رہا تھا، آپ اس سے رفتہ رفتہ غیر مطمئن ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی اور فضاء میں عمومی جہالت وظلمت کا اثر مکاتب پر بھی آہستہ آہستہ پڑتا جا رہا ہے اور دوسری طرف قوم میں اتنا دینی جذبہ ہے نہیں کہ وہ بچّوں کو شوق سے دین پڑھنے کے لیے بھیجیں آپ نے اپنے اس خیال کو اپنے ایک مکتوب میں بھی تحریر فرمایا چنانچہ آپ فرماتے ہیں؛

مکاتب جذبات کی جس مقدار سے چل سکتے ہیں، وہ ابھی بہت بعید ہے ابھی ایک طویل مدّت صرف تبلیغ پر اقتصار کر کے استقامت اور ترقی فرماتے رہیں جب عمومی استعداد پیدا ہو جائے گی اور اسلام کی رغبت پر کچھ ترقّی کرنے لگیں گے، تو اللہ چاہے تھوڑی کوشش سے بہت مدارس ہو سکیں گے۔" اُسی زمانہ میں اور بھی بہت سے علماء نے میوات میں وعظ و اصلاح کا کام شروع کیا خلافِ شرع امور کی روک تھام اور مسائل کی اشاعت کے لیے مختلف تحریکیں چلائیں مگر مولانا محمدّ الیاس صاحبؒ محسوس کر رہے تھے کہ خواص وافراد کی اصلاح مرض کا علاج نہیں ہے بلکہ علاج کے لیے ایک عمومی فکر و تحریک کی ضرورت ہے۔

دوسرا حج اور کام کے رُخ کی تبدیلی

شوال ۱۳۴۵ھ آپ دوسرے حج کے لیے تشریف لے گئے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحؒ کی معیت حاصل تھی۔ مدینہ منوّرہ میں قیام کا زمانہ جب ختم ہُوا اور رفقا چلنے کے لیے تیار ہُوئے تو اُنھوں نے مولانا کو عجیب اضطراب و بے چینی میں پایا۔ آپ مدینہ منوّرہ سے کسی بھی طرح جُدا ہونے کو تیّار نہ تھے کچھ دن توقف کرنے کے بعد حضرت سہارنپوریؒ سے عرض کیا گیا۔ آپ نے حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ تم ان سے چلنے کے لیے اصرار مت کرو۔ ان پر ایک حالت طاری ہے یا تو تم اُن کا انتظار کرو کہ از خود تمہارے ساتھ چلے جائیں۔ یا تم خود چلے جاؤ یہ بعد میں آجائیں گے، چنانچہ رفقا ٹھہر گئے۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ مدینہ طیبّہ کے اس قیام کے دوران مجھے اس کام یعنی دعوت و تبلیغ کا حکم ہُوا اور ارشاد ہُوا کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ مَیں ناتواں کیا کر سکوں گا۔ کسی عارف سے ذکر کیا تو اُنھوں نے فرمایا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو گے بلکہ خواب میں آپ کو یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے بس کام لینے والا تم سے کام لے لے گا۔ اس جواب سے آپ کی بہت تسلّی اور تشفی ہُوئی۔ پانچ مہینے حرمین شریفین میں قیام رہا۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو کاندھلہ واپسی ہُوئی۔

"تبلیغی گشت کی ابتداء"

حج سے واپسی پر مولانا نے خاص سُنّت طرز کی نقل میں تبلیغی گشت شروع فرمایا۔ آپ نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اوّلین ارکان و اُصول کلمۂ توحید نماز وغیرہ کی تبلیغ کریں۔ لوگوں کے کان اس دعوت سے نا آشنا تھے۔ دین کی تبلیغ کے لیے عوام الناس کا زبان کھولنا لوگوں کو پہاڑ معلوم ہونا بلکہ دعوت دینے والوں کے لیے بھی شروع میں بہت سے حجابات سامنے تھے۔ اوّل اوّل تو بہت ہی ہچکچاہٹ اور رکاوٹ کے ساتھ اس کام کو انجام دیا گیا۔

تیسرا حج

... رمضان المبارک کا چاند نظام الدین ...

اس سفر میں مولانا احتشام الحسن صاحبؒ آپ کے ساتھ تھے، وہ مولانا زکریا صاحبؒ کے نام ایک خط میں مولانا الیاس صاحبؒ کے مشاغل واوقات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں "حضرت والا کا اکثر وقت حرم محترم میں گذرتا ہے۔ تبلیغی جلسے اور چرچے برابر چلتے رہتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے بارہ میں ہر محفل میں کچھ نہ کچھ فرمایا کرتے ہیں۔" ۲ محرم الحرام ۱۳۵۲ بمطابق ۲۷ اپریل ۱۹۳۳ء کو مدینہ طیبہ پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۲۷ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ کو ہندوستان واپسی ہوئی۔ اس حج سے واپسی پر آپ دعوت و تبلیغ کے کام کے بارہ میں مزید اطمینان لے کر ہندوستان تشریف لائے چنانچہ کام کی رفتار کو بڑھایا۔

جماعتیں دینی مراکز کی طرف

مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے اپنے طویل تجربہ اور بالغ نظری سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اپنے ماحول اور مشاغل میں گھرے رہ کر ان غریب اور کاشت کاروں کا دین سیکھنے کے لیے اتنا وقت نکالنا کہ جس سے اُن کی اصلاح ہوجائے۔ ممکن نہیں اور ان سے ابھی یہ مطالبہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ تمام کے تمام اس عمر میں مکاتب کے طالب علم بن جائیں اور ان سے یہ توقع بھی صحیح نہیں کہ صرف وعظ و پند ہی سے اُن کی اصلاح و درستگی کا انقلاب ان کی بگڑی ہوئی زندگیوں میں بپا ہوجائے مگر ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے مولانا کے نزدیک ان لوگوں کی زندگیوں میں یہ اصلاحی انقلاب بپا کرنا ضروری تھا۔ آپ کو اس کی یہ تدبیر سمجھ میں آئی کہ یہ لوگ کچھ مُدّت کے لیے جماعتوں کی شکل میں دین و علوم کے مرکزوں کی طرف نکلیں اور وہاں کے عوام و جہلاء کو کلمہ و نماز کی تبلیغ کریں اور اس طرح اپنا پڑھا ہُوا سبق پختہ کریں اور وہاں کے اہلِ علم حضرات کی مجالس میں بیٹھ کر ان علماء کی باتوں کو مکمّل غور و فکر کے ساتھ سُنیں اور اُن اہلِ علم کی زندگیوں کو دیکھ کر اپنی زندگی کی اصلاح کریں اور اس طرح علمی و عملی زندگی حاصل کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنی دعوتِ تحریک کے سلسلہ میں علماء کی سرپرستی کا کتنا اہتمام تھا کہ جماعتوں کے لیے آپ کا یہی لائحہ عمل ہے کہ جماعت جس جگہ ٹھہرے وہاں جہلاء اور عوام الناس میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیں مگر علماء کی محفلوں میں اپنے آپ کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ اس طرح طالب علموں کی حیثیت سے پیش کریں کہ جس سے عوام کی طرف سے علماء کو تبلیغ کرنے کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو، چنانچہ آپ نے

میواتیوں کو دیوبند، سہارن پور، رائے پور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی محفل میں اپنی اس دعوت و تبلیغ کا ذکر نہ کریں، پچاس ساٹھ آدمی اِرد گرد کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں اور پھر وہاں سے دوسرے گاؤں کے لیے تقسیم ہو جائیں۔ حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتایا جائے، ورنہ از خود کسی چیز کو ذکر نہ کیا جائے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کو ایک خط میں تحریر فرمایا "میری تمنّا ہے کہ خاص اُصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آدابِ خانقاہی کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں"۔ غالباً جماعتوں کو اہلِ علم سے وابستہ رکھنے کی غرض سے ہی آپ نے پہلی جماعت کے سفر کے لیے اپنے وطن کاندھلہ کا انتخاب فرمایا کہ بہر حال وہ اپنا وطن ہے اور ایک دینی و علمی مرکز ہے۔ دوسری جماعت رائے پور گئی۔ اس میں بھی یہی مصلحت کار فرما نظر آتی ہے۔ آپ ایک طرف علماء کو اس دعوت کے ذریعہ عوام کے قریب ہونے کی اور ان کی اصلاح کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تو دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی قدردانی اور علماء سے استفادہ کی طرف توجّہ دلاتے۔ عوام الناس کو بتاکید اُصولوں کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کیا کرتے۔ علماء کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے، اُن کی علمی باتیں سمجھ نہ آنے پر اپنی عقل کا قصور سمجھتے ہوئے۔ جائز حدود میں رہ کر اُن کی تاویل کے لیے کہتے حتّٰی کہ خاص طور پر علماء کی محافل میں جانے کی مشق بھی کرایا کرتے، چنانچہ آپ علماء کی خدمت میں بھیجنے کے بعد واپسی پر مکمل کارگزاری سُنتے کہ علماء کی خدمت میں کس طرح گئے، کس طرح بیٹھے کس طرح گفتگو ہوئی اور پھر اصلاح بھی فرماتے۔ اس طرح عوام الناس تاجر پیشہ اور کاروباری لوگوں کو آپ نے دعوت کی برکات اور اللہ پاک کی خصوصی مدد و نُصرت سے علماء کے اتنے قریب کر دیا تھا کہ ماضی قریب میں علماء سے عوام کا اتنا قُرب کم نظر آتا ہے۔ بدقسمتی سے شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کے ساتھ ایک بیزاری پیدا ہونے لگی تھی اور بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے عام حاملینِ دین اور علماء کے خلاف ایک عام جذبۂ عناد پیدا ہونے لگا تھا، مگر مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک اور حکمتِ عملی سے کم از کم اس دعوت و تبلیغ کے حلقۂ اثر میں اتنی بات ضرور پیدا ہو گئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین

کے لیے گوارہ کرنے لگے اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماءِ حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی۔

"مرض الوفات"

مرض الوفات میں آپ کی اس طرف بہت ہی زیادہ توجّہ تھی، کیونکہ آپ اپنی اس دعوتی تحریک کے لیے عمومیت کے خواہاں تھے کہ جس میں ہر شعبہ زندگی سے تعلّق رکھنے والا اپنی اصلاح و درستگی کا سامان پاسکے مگر یہ بات علم اور اہلِ علم کے بغیر ناممکن تھی۔ اسی لیے مرض الوفات میں آپنے علم و ذکر کی خصوصیت سے تاکید فرمائی۔ اور مسائل کو علماء سے پُوچھ پُوچھ کر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آپ اس تصوّر سے برابر لرزاں اور ترساں رہا کرتے تھے کہ کہیں یہ دعوت و تبلیغ کا کام ایک عام اور عصری تحریک کی طرح بن کر نہ رہ جائے۔ آپ کی طبیعت پر اس کا بوجھ رہتا تھا۔ بار بار اس خطرہ کا اظہار فرماتے اور ڈراتے آپ فرماتے تھے کہ علم و ذکر اس گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ جن کے بغیر یہ گاڑی چل نہیں سکتی۔ علم و ذکر دعوت و تبلیغ کے لیے دو بازُو ہیں جن کے بغیر پرواز نہیں۔ علم کے لیے ذکر اور ذکر کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ علم بغیر ذکر کے ظُلمت و تاریکی ہے اور ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے اور یہ تحریک و نظام علم و ذکر دونوں کے بغیر سراسر مادیت ہے۔

مارچ ۱۹۴۴ء میں ضعف بڑھ چُکا تھا۔ نماز پڑھانے سے بھی معذور تھے مگر جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے کئی مرتبہ فرمایا کہ مجھے لگتا ہے کہ میں اس مرض سے جانبر نہ ہوسکوں گا۔ ظاہر اسباب میں صحّت معلوم نہیں ہوتی۔ ویسے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ۱۰ جولائی کی شام غفلت سے ہوشیار ہو کر علماء کو اپنی سطح کے مطابق دعوت و تبلیغ میں مشغول ہونے کی تاکید فرمائی۔ ۱۱ جولائی کی صُبح کو آپ نے زم زم پیتے ہُوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دُعاء اللہ سے مانگی: اللّٰھم ارزقنی الشہادۃ فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك۔ اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما اور اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے شہر میں میری موت مقدر فرما۔ صحت تو مولانا کی ہمیشہ سے ہی کمزور تھی۔ اس پر محنت کی شدت اور مشغولیت و بے آرامی نے اور بھی کمزور کر دیا۔ آنتوں کی شکایت موروثی اور پیدائشی تھی۔ سفروں کی کثرت اور اُن کی وجہ سے بے احتیاطی نے نظامِ جسمانی کو متزلزل کر دیا تھا، مگر اس حالت میں بھی ذہن میں سوچ ہے

تو اُمت کی اصلاح کی، کانوں سے بات سُننا چاہتے ہیں تو اُمت میں اتحاد و اتفاق کی، زبان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تو صرف اُمت کے لیے دعوت و تبلیغ کا پیغام، اور وہ بات کہ جس پر سب سے زیادہ زور تھا وہ علم و ذکر تھے۔

۱۲ جولائی چہارشنبہ کے دن شیخ الحدیث صاحبؒ مولانا عبدالقادرؒ صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ کو یہ پیام پہنچا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے چند اشخاص اس کام کے بوجھ کو سنبھالنے کے اہل نظر آتے ہیں آپ ان میں سے جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرادیں۔ چنانچہ مذکورہ علماء نے مشورہ کے بعد مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا چناؤ کیا۔

رات کو آپ نے پُوچھا کیا کل جمعرات ہے۔ عرض کیا گیا جی ہاں، فرمایا میرے کپڑوں کو دیکھ لو کہیں کوئی نجاست تو نہیں لگی یہ معلوم کر کے کہ نہیں لگی۔ بہت اطمینان اور خوشی ہوئی۔ چارپائی سے اُتر کر وضوء کیا اور نماز پڑھنے کی خواہش کی مگر تیمارداروں نے معذرت کی جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز شروع کی مگر قضائے حاجت کی ضرورت پیش آگئی، چنانچہ بعد میں دوسری جماعت سے حجرہ میں نماز ادا کی پھر فرمایا آج کی رات دُعا اور دم کثرت سے کرو اور یہ بھی فرمایا کہ آج میرے پاس ایسے لوگ رہنے چاہئیں جو شیاطین اور ملائکہ کے اثرات میں امتیاز کر سکیں۔ مولانا انعام الحسن (حضرت جی) صاحب سے پُوچھا کہ وہ دُعا کس طرح ہے اللّٰھم ان مغفرتك انہوں نے پوری دُعاء یاد دلائی، اَللّٰھُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتَكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ۔ اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے۔ یہ دُعاء وردِ زبان رہی پھر فرمایا۔ آج یُوں جی چاہتا ہے کہ مجھے غُسل کرا دو اور چارپائی سے نیچے اُتار دو تاکہ دو رکعت نماز ادا کر لوں۔ دیکھو نماز کیا رنگ لاتی ہے بارہ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ ڈاکٹر آیا اور دوا دی مگر قدرت کے ہاں سے فیصلہ ہو چکا تھا، چنانچہ صُبح کی اذان سے قبل جان جانِ آفریں کے سُپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکا ہُوا مسافر منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ صُبح کی نماز کے بعد بہتے ہُوئے آنسوؤں میں مولانا محمد یُوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ آپ کے سَر پر باندھا گیا۔

تجہیز و تکفین

اطلاع کر دی گئی۔ لوگوں کا ایک طوفان ٹُوٹ پڑا۔ اس پر مولانا ظفر احمد صاحبؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے لوگوں کو صبر کی تلقین فرمائی۔ مجمع برابر بڑھ رہا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت بے اندازہ مجمع تھا۔ وضو کرنے والوں کی کثرت سے حوض کا پانی بھی خاصا نیچا ہوگیا تھا۔ مسجد کی تمام وسعتیں زیریں و بالائی حصّے بالکل بھر گئے۔ نماز پڑھنے کے لیے جنازہ باہر لایا گیا۔ مجمع نظم وضبط اور قابُو سے باہر تھا۔ چارپائی کے ساتھ بانس باندھے گئے تھے تاکہ لوگ کاندھا دے سکیں بڑی کش مکش کے بعد جنازہ کو درختوں کے نیچے لایا گیا۔ شیخ الحدیث صاحب نے نماز پڑھائی اور دفن کے لیے جنازہ واپس ہُوا۔ مسجد کے جنوبی مشرقی کونے میں والد اور بھائی کے پہلو میں لحد تیّار تھی۔ بڑی مشکل سے جنازہ قبر تک پہنچا۔ نعش قبر میں اُتاری گئی اور یہ امانت خاک کے سُپرد کر دی گئی۔ سُورج کے غُروب ہونے کے ساتھ دین کا یہ آفتاب جس کی تابش سے ہزاروں خاکی ذرّے چمک اُٹھے تھے اور دُور تک دین کی حرارت پہنچ چکی تھی غُروب ہوگیا۔

تحریکِ ختمِ نبوّت 1974

ترتیب و تدوین: مولانا اللہ وسایا

تحریک ختم نبوت 1954ء تا 1974ء، قادیانی احتساب کی سرگزشت ○ مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام اور مسلم لیگی حکومت کا عتاب ○ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا سہروردی کے نام خط ○ ظفر اللہ خاں قادیانی کی نئی نویلی دلہن کے پرانے شوہر کی دلچسپ داستان ○ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بزرگوں کو بشارتیں ○ قادیانیوں کا خلیفہ ربوہ کے مظالم کے خلاف احتجاج اور بغاوت ○ قادیان میں ختم نبوت کانفرنس ○ مسیح موعود بننے کا پاکستانی دعویدار ○ اسلامی ممالک میں قادیانیوں کا داخلہ بند ○ اسمبلی میں مولانا غلام غوث ہزاروی کے دلچسپ سوالات ○ سکندر مرزا ایک قومی غدار ○ "ایک غلطی کا ازالہ" کی ضبطی ○ محاذ قادیان پر کام کرنے والے مجاہد علماء کرام ○ اقبال اور قادیانیت ○ پنجاب یونیورسٹی اور قادیانیت ○ قادیانی جماعت کا بجٹ ○ فرقان فورس کیا بلا ہے؟ ○ خلیفہ ربوہ کی مشکوک سرگرمیاں ○ قادیانیوں کی اشتعال انگیزیاں ○ اسرائیل میں مرزائی مشن ○ ربوہ کا سالانہ میلہ ○ ہفت روزہ "چٹان" کی ضبطی ○ مولانا عبید اللہ انور کی گرفتاری ○ بھٹو اور مرزا ناصر ○ فوج کا ہیڈ کوارٹر۔ ربوہ۔؟ ○ تبلیغ اسلام کے لیے قادیانیوں کا تقرر ○ ایم ایم احمد قادیانی قائم مقام صدر پاکستان ○ چینی سفیر ربوہ میں ○ مرزائی لندن پلان ○ مرزائی کھوڑے ○ رفیق باجوہ پر قاتلانہ حملہ ○ سانحہ سقوط مشرقی پاکستان اور قادیانی ○ محکمہ تعلیم اور قادیانی ○ قادیانی خلیفہ کو پاکستان ایئر فورس کی سلامی ○ بھٹو کے خلاف مرزائی سازشیں ○ ضلع ژوب میں قادیانیوں کا داخلہ بند ○ مولانا شمس الدین کی شہادت ○ ربوہ "علاقہ غیر" ○ مرزائی سلطنت کے خواب ○ پاک فوج میں قادیانی سازشیں ○ براڈ کاسٹنگ ان دی ربوہ ○ ربوہ "سازشوں کا مرکز" ○ اسمبلی میں چودھری ظہور الٰہی کا خطاب ○ صدر پاکستان اور قادیانی خلیفہ مرزا طاہر احمد ○ رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد ○ "پاکستان قائم نہیں رہے گا" مرزا ناصر احمد کی دھمکی ○ سانحہ ربوہ 1974ء ○ قادیانی غنڈوں کا مسلمان طلبہ پر وحشیانہ ظلم و ستم ○ حنیف رامے کی بدترین مرزائیت نوازی ○ قادیانی حوروں کی حقیقت ○ قادیانی جنت دوزخ ○ مرزا ناصر کے اندرون خانہ رازدار باورچی کا قتل ○ کوثر نیازی ربوہ میں ○ لیبیا کا ایٹمی پلانٹ اور قادیانی ○ شیزان، قادیانیوں کی فیکٹری ○ ملک قاسم، مجید نظامی، آغا شورش کاشمیری کے عدالت میں باطل شکن بیانات ○ مرزا ناصر احمد عدالت کے کٹہرے میں ○ خلیفہ ربوہ کی لاہوری گروپ سے لاتعلقی ○ سانحہ ربوہ کے سلسلہ میں جسٹس صمدانی ٹربونل کی لمحہ بہ لمحہ کارروائی، پہلی بار منظر عام پر

○ کمپیوٹر کتابت ○ عمدہ کاغذ ○ اعلیٰ طباعت ○ چار رنگا خوبصورت ٹائٹل ○ بہترین جلد ○ صفحات 1224 ○ قیمت: 200 روپے
○ جماعتی کارکنوں کے لیے قیمت صرف 120 روپے ○ قیمت کا پیشگی منی آرڈر آنا ضروری ہے ○ وی پی ہرگز نہ ہوگی۔

ایک ایسی تاریخی دستاویز جس کا مدتوں انتظار تھا
پڑھیے اور تحفظ ختم نبوت کے لیے آگے بڑھیے

ملنے کا پتہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ، ملتان۔ فون: 40978

(قسط: ۴)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

مبحث پنجم

نماز روزہ وغیرہ بدنی عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب

بدنی عبادات کے بارے میں خود ائمہ اہلِ سنّت میں مشہور اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کو (بنا بر قول مشہور) اس سے انکار ہے کہ نماز روزہ وغیرہ بدنی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچ سکے، لیکن امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور امام احمد کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ وخیرات اور حج وقربانی کی طرح نماز روزہ اور تلاوۃ قرآن مجید وغیرہ جملہ بدنی عبادات کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ سکتا ہے اور امام ابن قیم نے "کتاب الروح" میں اس مسلک کو جمہور سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ص: ۱۸۸)

اگرچہ اس بارے میں مالی عبادات کی طرح دلائل بالکل یک طرفہ اور فیصلہ کن نہیں ہیں (اور اسی وجہ سے اس میں ائمہ سلف کی دو رائیں ہو گئی ہیں) تاہم جو حضرات اس کے قائل ہوئے ہیں وہ دلائل ہی سے قائل ہوئے ہیں اور یہ دلائل اتنے قوی ہیں کہ امام بیہقی جو امام شافعی کے غالباً سب سے بڑے وکیل اور حامی ہیں۔ اُنھوں نے بھی اس بارے میں ان دلائل کی ہی بناء پر امام شافعی کی تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اموات کی طرف سے مالی عبادات کی طرح ہی بدنی عبادات کا بھی کرنا اور اموات کو اُن سے بھی نفع اور ثواب پہنچنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس لیے یہی حق ہے۔ حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں امام بیہقی سے ناقل ہیں:

"قال البیہقی فی الخلافیات ہذہ المسئلۃ ثابتۃ لا اعلم خلافاً بین اہل الحدیث فی صحتہا فوجب العمل بہا۔ ثم ساق بسندہ الی الشافعی قال کل

ماقلت وصح عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم خلافہ فخذوا بالحدیث ولا تقلّدونی"
(فتح الباری جز ۷، ص: ۲۸۵)

"یہ مسئلہ یعنی اموات مسلمین کی طرف سے نماز روزہ کرنا صراحتاً حدیث سے ثابت ہے اور اس کے ثبوت کی صحّت کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔ محدثین میں کوئی اختلاف ہو لہٰذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے اور کیوں نہ ہم اس کو اختیار کریں جبکہ خود امام شافعی کا ارشاد ہے کہ مَیں جو کچھ کہوں اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی حدیث اُس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اُس حدیث پر عمل کیا جائے اور ہرگز ہرگز پھر میرے فتوٰی کی تقلید نہ کی جائے۔"

امام شافعیؒ نے بعض اُن احادیث پر مفصل کلام بھی کیا تھا جن سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب "معرفۃ السنن والآثار" میں (جس کا موضوع ہی گویا حنفیت کے مقابلہ میں شافعیت کی حمایت ہے) اپنے امام کے اس کلام کا مفصل اور مدلّل جواب دیا ہے۔ امام شافعی کے اس کلام اور امام بیہقی کے جواب کو حافظ ابن القیم نے کتاب الروح (ص: ۲۲۲) میں بھی نقل کیا ہے۔

بہرحال اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ "بدنی عبادات" کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے بارہ میں مالی عبادات کی طرح نہ تو ائمہ کا اتّفاق ہے اور نہ دلائل ہی ویسے یک طرفہ اور فیصلہ کُن ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں نصوص بالکل نہ ہوں اور صرف مالی عبادات پر قیاس کر لیا گیا ہو۔ جیسا کہ بہت سُوں کا خیال ہے، بلکہ اس بارے میں مستقل احادیث موجود ہیں اور وہ ایسی صریح اور قوی ہیں کہ اُن کی بُنیاد پر امام شافعی کے بیہقی جیسے زبردست حامی اور وکیل نے بھی اس مسئلہ میں اُن کا ساتھ چھوڑ دینا ضروری سمجھا اور متاخرین شافعیہ کا تو عام رُجحان ہی اس طرف ہے جیسا کہ اُن کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ احادیث صحیحین میں بھی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے۔

مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ (صحیح بخاری کتاب الصوم، ج:۱ ص: ۲۶۲ وصحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیت ج:۱ ص: ۳۶۲)

"جو شخص ایسی حالت میں مر جاوے کہ اُس کے ذمّے کچھ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھتا ہے"۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے اسی باب میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ فَقَضَيْتِهِ أَكَانَ يُؤَدِّيْ ذٰلِكَ عَنْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَصُوْمِيْ عَنْ أُمِّكِ

(رواہ البخاری، ج:۱، ص: ۲۶۲، والمسلم ج:۱، ص: ۳۶۲، واللفظ لہٗ)

"ایک عورت نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور اُن کے ذمّہ نذر کے کچھ روزے تھے، تو کیا مَیں اُن کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ، اگر تمہاری ماں پر کچھ قرضہ ہوتا اور تم اُس کو ادا کر دیتیں تو کیا اُن کی طرف سے وہ ادا ہو جاتا؟ سائلہ نے عرض کیا ہاں، قرضہ تو ادا ہو جاتا۔ آپؐ نے فرمایا تو (اسی طرح) اپنی ماں کی طرف سے روزے بھی رکھ سکتی ہو" اور صحیح مسلم کے مذکورۂ بالا باب ہی میں حضرت بریدہؓ صحابی سے مروی ہے۔

بينا انا جالس عند رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اذا تته امرأة فقالت انى تصدقت على امى بجاريةٍ وانها ماتت قال فقال وجب اجرك وردها عليكِ الميراث قالت يا رسول الله انه كان عليها صوم شهرٍ افاصوم عنها قال صومى عنها قالت انها لم تحج قط افاحج عنها قال حجّى عنها۔

(صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن المیّت، ج:۱ص: ۳۶۲)

"مَیں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اُس نے عرض کیا کہ مَیں نے اپنی ایک کنیز اپنی والدہ پر صدقہ کر دی تھی (یعنی بہ نیّت ثواب ہبہ کر دی تھی) اور اَب میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضور نے فرمایا تمہیں ہبہ کا ثواب مل گیا اور قانونِ وراثت کے ذریعہ اَب وہ باندی پھر تمہاری ملکیت

میں آ گئی۔ پھر اس عورت نے ذکر کیا کہ میری ماں کے ذمّہ ایک مہینہ کے روزے بھی تھے تو کیا میں اُن کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، اُن کی طرف سے روزے رکھ دو۔"

پھر اس عورت نے عرض کیا کہ میری والدہ نے کبھی حج بھی نہیں کیا تو کیا میں اُن کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! حج بھی اُن کی طرف سے کر دو۔"

روزے کے بارہ میں یہ تینوں روایتیں بالکل صاف اور صریح ہیں، البتّہ اُن کے بارہ میں چند چیزیں توضیح طلب ہیں۔

اوّل یہ کہ درمیان کی حدیث جو حضرت عبداللّٰہ بن عباسؓ سے مروی ہے اس کی مختلف روایات میں چند اختلافات ہیں جن کی بُنیاد پر قاضی عیاض وغیرہ نے اس کو "مضطرب" قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں باوجود اپنی سخت شافعیت کے ان اختلافات کو حل کر کے اضطراب کو اُٹھایا ہے اور حدیث سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، ص: ۲۵۵ جز ۷)

لیکن اگر حافظ کا حل کسی کو مطمئن نہ کر سکے تو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ روایتوں کا وہ اختلاف صرف حضرت ابن عبّاسؓ والی حدیث میں ہے، باقی حضرت عائشہؓ اور بریدہؓ کی دونوں حدیثیں صاف ہیں۔ وَکَفٰی بِھِمَا حُجَّۃً۔

دوسری بات قابلِ ذکر یہاں یہ ہے کہ اِن احادیث کے مقابلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن عبّاس کے بعض اقوال پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن حضرات کے نزدیک موتٰی کی طرف سے روزے تو نہیں رکھے جا سکتے اور نہ نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں ہاں صدقہ دیا جا سکتا ہے (جیسا کہ امام شافعی اور امام مالک کی رائے ہے) ان آثار کو عبدالرزاق، نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری۔ ص: ۲۸۵ جز ۷)

اس کے متعلّق ایک گزارش تو یہ ہے کہ امام بیہقی نے "کتاب المرفۃ" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا و ابن عبّاس کے ان فتوؤں کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وفی ما روی عنھما فی النھی عن الصوم عن المیت نظر

"صوم عن المیّت سے نہی کے بارے میں حضرت عائشہ و ابن عبّاس کے فتوؤں

کی روایات محل نظر ہیں "۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

ان الآثار المذکورۃ عن عائشۃ وعن ابن عباس فیھا مقال ولیس فیھا ما یمنع الصیام اِلّا الاثر الذی عن عائشۃ وھو ضعیفٌ جدًا۔

"حضرت عائشہ و ابن عبّاس کے ان آثار میں کلام ہے، نیز اُن میں میّت کی جانب سے روزوں کی صریح ممانعت بھی نہیں نکلتی، ہاں حضرت عائشہ والے اثر میں بے شک صریح ممانعت ہے، لیکن وہ اسنادی حیثیت سے بالکل ہی ضعیف ہے"۔

خیر یہ جواب تو اسناد و علل کے مباحث سے متعلّق ہے۔ دوسرا آسان اور صاف جواب (بنا بر تسلیم یہ ہے کہ صحیحین کی جو مرفوع حدیثیں اُوپر پیش کی گئیں، (جن سے موتیٰ کے لیے روزے رکھنا صراحتہً ثابت ہے) اور حضرت عائشہ و ابن عباس کے وہ اقوال جن میں اموات کی جانب سے روزے نماز کی نفی کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک اِن میں توفیق و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ اثبات کی احادیث کو "ایصالِ ثواب" پر محمول کیا جائے اور نفی والے آثار کو "نیابت" پر۔ گویا ہماری پیش کردہ صحیحین کی احادیث کا منشاء یہ ہو کہ روزے نماز کے ذریعے اموات کو ثواب پہنچایا جا سکتا ہے اور حضرت عائشہ و ابنِ عبّاس کے فتوؤں کا مطلب یہ لیا جائے کہ نماز روزے میں زندے مُردوں کی نیابت نہیں کر سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کے ذمے روزے یا نمازیں فرض ہوں اور وہ ادا کیے بغیر مر جائیں تو اِن کے زندے پسماندگان اُن کی طرف سے وہ فرض روزے رکھ دیں اور نمازیں پڑھ دیں تو ان مرنے والوں کا فرض اُتر جائے، جیسا کہ نیابت کا مقتضیٰ ہے۔ اس توجیہ سے تعارض و تناقض سرے سے اُٹھ جاتا ہے اور "ایصالِ ثواب" و نیابت کا یہ فرق ہے بھی بالکل واقعی۔ فقہ حنفی میں تو یہ چیز صراحت کے ساتھ اسی طرح مذکور ہے۔ صاحب "درمختار" کے قول "وان صام او صلے عنہ لا" کی شرح کرتے ہُوئے علّامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

معناہ لا یجوز قضاء عما علی المیت والافلو جعل لہ ثواب الصوم والصلٰوۃ یجوز

آگے امام بخاری فرماتے ہیں کہ " وقال ابن عباس نحوہ (اور عبداللہ ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔)

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک سلسلہ کلام میں فرمایا:

مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا وَيَقُوْلَ هٰذِهٖ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ　　(باب فی ذکر البصرۃ کتاب الملاحم ج ۲ ص ۲۳۶)

"کون ہے جو میرے لیے اس کا ذمہ لے لے کہ وہ مسجد عشار میں میرے واسطے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے یہ ابوہریرہ کے لیے ہے۔[1]

ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے ذریعے اموات کی نفع رسانی اور ایصالِ ثواب کے مسئلہ سے بھی صحابہ کرام پوری طرح آشنا تھے اور اس کو صحیح سمجھتے تھے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ جب عبادات کے متعلق اُصولی طور پر یہ ثابت ہوچکا کہ زندے اگر چاہیں تو اپنی عبادتوں کا ثواب اموات کو ہدیہ کر سکتے ہیں۔ تو پھر فقہی نظر میں ہر نوع کے عبادت کے لیے مستقل اور الگ الگ دلیل کی ضرورت نہیں۔

---

[1] یہاں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس روایت کے دو راویوں (ابراہیم بن صالح اور اُن کے والد صالح بن درہم) میں اکثر محدثین نے کلام کیا ہے لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (بذل المجہود ج ۵ ص ۱۰۹)

انتقالِ پُر ملال

مورخہ ۲۱ دسمبر بروز منگل حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں نوراللہ مرقدہ کے دیرینہ رفیق و جاں نثار محترم جناب پروفیسر محمّد صدیق صاحب سابق وائس پرنسپل ایم اے او کالج بعارضہ قلب مختصر علالت کے بعد وفات پا گئے اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

مرحوم زہد و تقوٰی عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی پوری زندگی مجاہدانہ گزری، علماء صالحین سے آپ کا احترام و عقیدت مثالی تھا۔ جامعہ سے گہری وابستگی اور تعلّق کے پیشِ نظر آپ کی وفات جیسے اُن کے اہلِ خانہ کے لیے نقصانِ عظیم ہے ویسے ہی جامعہ کے لیے بھی بڑے سانحہ سے کم نہیں ہے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے خاندان والوں کو بالخصوص اہلیہ محترمہ اور صاحبزادگان کو صبرِ جمیل عطا فرما کر اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا

دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُالواحد
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضِل جامعہ مدنیّہ

سوال: نمازِ جنازہ کے فوراً بعد اپنی جگہ بیٹھ کر میّت کے لیے دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں صفوں کو توڑ پھوڑ کر یعنی اپنی جگہ سے ہٹ کر اُس جنازہ گاہ میں بیٹھ کر چند بار الحمد شریف اور قل شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کی نیت سے اسی میّت کے لیے اور تمام قبرستان والوں کے لیے اجتماعی طور پر دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔ مہربانی کر کے فقہ حنفی کے مطابق بمع حوالہ جات وصفحہ جات فتویٰ کی صُورت ارقام فرمادیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بعد از دفن میّت سر کی طرف سے سورۂ بقرہ کا پہلا رکوع اور پیروں کی طرف سے سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھ کر دُعا مانگنی چاہیے آیا یہ دُعا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو یہ دُعا بیٹھ کر مانگی جائے یا کھڑے ہو کر اور ہاتھ اُٹھا کر یا ہاتھ اُٹھائے بغیر۔

الجواب باسم ملهم الصواب حامداً ومصلیا

نمازِ جنازہ کے فوراً بعد وہیں بیٹھ کر یا صفوں کو توڑ کر وہیں ٹھہر کر انفرادی یا اجتماعی طور پر دُعا مانگنا اور ایصالِ ثواب کرنا دُرست نہیں۔ نماز جنازہ پڑھ کر فوراً جنازہ اُٹھانا چاہیے اور جنازہ لے جاتے ہوئے۔ انفرادی طور پر چپکے چپکے دُعا کی جا سکتی ہے۔

بحر الرائق ج ۲ ص: ۱۸۳ میں ہے لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ (سلام پھیر لینے کے بعد دُعا نہ کرے)۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ ولا یدعو للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ۔ ج: ۴ ص: ۶۴

(ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے دُعا نہ کرے کیونکہ یہ نمازِ جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔)

خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے ولا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلاۃ الجنازۃ وقبلہا۔ ج: ۱۔ ص: ۲۲۵

(نمازِ جنازہ کے بعد اور اسی طرح اس سے پہلے میّت کے لیے قرآن پڑھ کر دُعا نہ کی جائے)

(۲) دفن کے بعد سورہ بقرہ کا اوّل و آخر پڑھنا دُرست ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے عَنْ عبداللّٰہ بن عمر قال سمعت النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ وأسرعوا بہ الی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ۔

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اس کو مت روکو اور جلدی اس کو اس کی قبر کی طرف لے جاؤ اور اُس کے سر کی جانب سورہ بقرہ کا ابتدائی حصّہ اور اس کے پیروں کی جانب سورہ بقرہ کا آخری حصّہ پڑھا جائے۔)

(۳) دفن کے بعد دُعا کرنا بھی مسنون ہے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ ج: ۴۔ ص: ۵۷ پر ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ تعالٰی قال واللّٰہ لکأنی اری رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی غزوۃ تبوک وھو فی قبر عبداللّٰہ ذی البجادین وابوبکر وعمر یقول ادنیا منی اخاکما واخذہ من قبل القبلۃ حتی اسندہ فی لحدہ ثم خرج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وولاھما العمل فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ یقول اللّٰھمّ انی امسیت عنہ راضیا فارض

عنه وكان ذلك ليلاً فوالله لقد رأيتني ولوددت انى مكانه

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واللہ گویا کہ میں غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں جبکہ آپ عبداللہ ذی البجادین رضی کی قبر میں تھے اور ابوبکر اور عمر بھی تھے اور آپ (ان دونوں سے) فرما رہے تھے کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو۔ اور آپ نے عبداللہ ذی البجادین رضی کی میت کو قبلہ کی جانب سے لیا یہاں تک کہ اُن کو اُن کی لحد میں لٹا دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر سے باہر تشریف لائے اور باقی کام ابوبکر و عمر رضی کے سپرد کیا۔ جب اُن کی تدفین سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُخ ہوئے اور اپنے ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا مانگی۔ اے اللہ میں ان (عبداللہ) سے راضی ہوا آپ بھی اُن سے راضی رہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ رات کا وقت تھا اور واللہ مجھے تمنا ہوئی کہ میں عبداللہ ذی البجادین کی جگہ ہوتا۔)

(۴) یہ دُعا کھڑے ہو کر کی جائے۔

زاد المعاد میں ہے وكان اذا فرغ من دفن الميت قام على قبره هو واصحابه وسأل له التثبيت ج: ۱ ص: ۱۷۸

مرقات میں ہے وقد ورد فی خبر ابی داؤد انه عليه الصلاة والسلام كان اذا فرغ من دفن الرجل يقف عليه ويقول استغفروا الله لاخيكم واسألوا له التثبيت ج: ۴ - ص: ۸۱ -

(۵) جواب نمبر ۳ میں جو حدیث مذکور ہے اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی تھی، لہٰذا دفن کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنی چاہیے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈاکٹر محمد سرور چاند　　فکر و نظر

ایک موقعہ پھر...

آج تک جتنی بھی حکومتیں آتی جاتی رہیں اُن کا سہرا بیورو کریسی کے سَر رہا، چونکہ سابقہ حکومت سیاست کے سمندر میں غوطہ زنی کا کم تجربہ رکھتی تھی۔ اس لیے وہ بھی بیورو کریسی کی مرہون منت رہی اور بیوروکریسی کا کوئی سدّباب نہ کر سکی، ان کا رابطہ عوام سے رہا۔ عوام تو صرف الیکشن تک ہوتے ہیں ووٹ دیا اور فارغ ہو گئے اور پھر دوسرے الیکشن پر سیاستدان پیدا کرتے ہیں۔ عوام تو اُن کے بھی کام نہیں آتے جو اُنہیں زندہ رہنے کا شعور دے یا عوام کا ہیرو بنے۔ سابقہ حکومت کا دعویٰ تھا کہ وہ عوام کی منتخب حکومت ہے اور براہِ راست عوام سے تعلق ہے، لیکن گزشتہ دنوں اس عوامی حکومت کو ایک غیر منتخب بالواسطہ عہدیدار نے ختم کر دیا۔ بہر حال اس کے عوامل کیا تھے اور اصل بات کیا ہے۔ یہ تو آج تک کوئی نہ جان سکا۔ تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا رہا ___ اور پھر ___ اب تک جتنی بھی حکومتیں آئیں اور گئیں سَب پر الزام تھوپے گئے۔ تحقیقات شروع کی گئیں۔ عوام سے وعدے بھی کیے گئے کہ تحقیقات کے بعد عوام کو بتلایا جائے گا تاکہ آئندہ اُمّیدواروں کو منتخب کرنے میں احتیاط سے کام لیں، مگر آج تک عوام کو نہ معلوم ہو سکا کہ سابقہ حکومتوں میں کیا کیا خامیاں تھیں کہ موجودہ حکومت کو منتخب کرتے وقت احتیاط سے کام لیا جائے۔

حکومت میں کیا خامیاں تھیں یہ تو سیاستدان ہی جانیں ہم تو ایک ہی سب سے بڑی خامی جانتے ہیں کہ کوئی بھی حکومت ۴۷ سال میں نفاذ اسلام نہ کر سکی جبکہ سب جانتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ سب ہی وعدے کرتے رہے، لیکن وفا کوئی نہ کر سکا۔ اس کا سب سے بڑا سبب شاید یہ ہی ہے کہ عوام جن نمائندوں کو چُنتی ہے وہ سَب زمیندار جاگیردار ہیں اور ظاہر ہے کہ الیکشن تو وہ لڑ سکتا ہے جس کے پاس سرمایہ ہو۔ اَب چناؤ اخلاقی علمی یا خاندانی تقویٰ کی بُنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ جو زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کر سکے اور زیادہ سے

زیادہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکے وہ ہی نمائندہ چُن لیا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام زمینداری و جاگیرداری کا دُشمن ہے۔ نفاذِ اسلام سے اُن پر یقیناً زد پڑتی ہے تو پھر کس طرح یہ ارکانِ اسمبلی اسلام کا نفاذ کرنے میں معاون ہوں گے۔ یا ایسا بل پاس کب کرائیں گے جو اُن ہی کے ہاتھ کاٹ دے۔ اس لیے اَب پاکستان میں نفاذِ اسلام کی توقع عبث ہی نظر آتی ہے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا انقلابی دیندار شخص نہ پیدا کر دے اور حکومت اس کے سُپرد کر دے جو مُلک میں اسلامی انقلاب برپا کر دے اور بلاخوف وخطر ایسے عناصر کا خاتمہ نہ کر دے جو اسلام کے دُشمن ہیں، فلسفیانہ تقریروں اور کانفرنسوں سے نفاذِ اسلام ممکن نہیں ہے۔ موجودہ حکومت کو اللہ نے ایک بار پھر موقع دیا ہے کہ وہ نفاذِ اسلام کا وعدہ پُورا کرے۔ انہیں اپنی خامیوں کا بھی اندازہ ہوگیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اقتدار دے کر چھین بھی سکتا ہے اور پھر بحال بھی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ایک بار پھر موقعہ دیا ہے۔ حکومت دوبارہ ملی ہے ——————

—————— وہ اپنی تمام توانائیاں نفاذِ اسلام کے لیے صرف کر دیں اور دُنیا کی خوشنودی حاصل کرنے کے بجائے اللہ کی خوشنودی حاصل کر لیں۔ (اگر صدر محترم اور حکومت نے ایسا کیا) تو انشاءاللہ نہ کوئی اقتدار چھین سکے گا اور نہ ہی کسی دُشمن کی رکاوٹ ہوگی۔ جس نے اللہ کو راضی کر لیا اُس سے سب راضی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اَب استقامت اور توفیق عطا فرما دیں اور دین کی سربلندی میں کوشش کرنے والوں کی مدد فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

ورلڈ اسلامک فورم کا ترجمان
ماہنامہ
الشریعۃ
گوجرانوالہ لندن
زیرِ سرپرستی
محدث مولانا محمد سرفراز خان صفدر
زیرِ ادارت
ابو عمار زاہد الراشدی
اھداف ومقاصد
اسلام کے عادلانہ نظام کا تعارف۔
نفاذِ اسلام کے خلاف کام کرنیوالی لابیوں اور ان کی سرگرمیوں کی نقاب کشائی۔
علماء کرام، طلبہ اور دینی کارکنوں کی فکری اور علمی تربیت۔
دینی حلقوں کے درمیان رابطہ وتعاون اور فکری وعملی ہم آہنگی کا فروغ۔
سالانہ زرِ خریداری: ۱۰۰ روپے، بیرونی ممالک سے: ۱۰ برطانوی پونڈ
یکے از مطبوعات
الشریعۃ اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ
(پوسٹ بکس ۳۳۱) فون: ۲۱۹۶۶۲ - ۰۴۳۱

جامع المنقول والمعقول

حضرت مولانا شریف اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خالد محمود صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

عمارت جب وجود میں آتی ہے تو دیکھنے والے کی نظر اس کے در و دیوار پر پڑتی ہے اور اُس کی بُنیادیں نظروں سے اوجھل ہی رہتی ہیں، غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کا تو وجود ہی ان بُنیادوں پر قائم ہے، یہی مثال اُن نفوسِ قدسیہ کی ہے جو اس دُنیا میں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر دوسروں کے لیے بُنیاد کا کام دیتے ہیں اور بیج کی طرح زمین میں چُھپ کر اپنے جیسے سینکڑوں کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں، وہ خود کوئی کتاب نہیں لکھتے بلکہ اُن کے فیض سے ایسے رجالِ کار وجود میں آتے ہیں جن کے قلم سے ہزاروں نہیں لاکھوں الفاظ صادر ہو کر قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔

اُنھی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک مردِ راہ کا نام خیالات کے پردوں سے ٹکراتا ہے، وہ ہے۔ حضرت اقدس مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی قدس اللہ سرہ العزیز وافاض علیہ من رحمتہٖ و فضلہٖ۔

مولانا سواتی نے قریباً ایک صدی پر محیط زندگی گزاری، مختلف ادوار دیکھے "سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ" پر عمل پیرا ہوتے ہُوئے مختلف وادیوں کو عبرت و ہوش کی نگاہوں سے دیکھا، بالآخر لاہور کی مشہور دینی درس گاہ "جامعہ مدنیہ" کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے شرف بخشا اور تادمِ آخر اسی ادارے میں علمی و درسی مجالس کو رونق بخشی۔

ابتدائی حالات

مولانا سواتی ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء میں سوات کے علاقہ عالی گرامہ (نیک پخیل) میں پیدا ہُوئے اُن کے والد گرامی مفتی فقیہ اللہ کا شمار اپنے علاقے کے جیّد علماء میں ہوتا تھا۔ وہ ایک اسم بامسمّیٰ بزرگ تھے اور "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْهُ فِی الدِّیْنِ" کا مصداق تھے۔

مولانا سواتی بچپن ہی میں والد گرامی کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے تھے، والد کے انتقال کے بعد آپ کو اپنے ماموں مولانا حنیف اللہ خان نے آغوشِ شفقت میں لے لیا، مولانا حنیف اللہ خان سابق ریاست دیر میں قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ مفتی فقیہ اللہ اور مولانا حنیف اللہ خان دونوں کا نسبًا افغانوں کی شاخ یوسف زئی سے تعلق تھا۔ مولانا سواتی نے قرآن پاک ناظرہ کی تعلیم تو اپنے والد کی زندگی ہی میں مکمل کر لی تھی اور بعد میں ابتدائی کتب اپنے علاقہ میں ماموں سے پڑھیں۔ اسی دوران مولانا سواتی نے علاقہ کے رواج کے مطابق طلبِ علم کے لیے راہِ سفر اختیار کی اور مختلف مَوارِدْ سے سیراب ہوتے ہوئے بالآخر ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے اور قریبًا ۹ سال زیرِ تعلیم رہ کر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا فضل حق[۱] رامپوری آپ کے مشہور اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

---

[۱] مولانا فضل حق بن عبد الحق الحنفی الرامپوری ۱۲۷۸ھ میں رامپور میں پیدا ہوئے، قرآن مجید بچپن ہی میں حفظ کر لیا۔ پھر مولوی عبد الرحمٰن قندھاری کے پاس صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد بھیکن پور میں مولوی عبد الکریم رامپوری سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں اس کے بعد علی گڑھ میں مفتی لطف اللہ کوئلی سے مطولاتِ فنون کا درس لیا۔ بعد ازاں بریلی لوٹ آئے اور قدماء کی کچھ کتابیں مولوی ہدایت اللہ بریلوی سے پڑھیں، کچھ عرصہ بریلی کے مدرسہ طالبیہ میں تدریس کا شغل اختیار کیا۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ دریں اثنا مولانا عبد الحق بن فضل الحق خیرآبادی سے بعض قدماء کی کتابوں کا استفادہ کیا۔ ایک سال کی مدت مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران آپ نے شیخ محدث حسین بن محسن سبعی یمانی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دوبارہ رامپور تشریف لائے اور کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ ہی میں تدریسی منصب پر فائز رہے، کچھ عرصہ کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کی مسند تدریس کو رونق بخشی بالآخر مدرسہ عالیہ رامپور میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ علماء کی ایک کثیر تعداد کا آپ کے تلامذہ کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، رامپور میں آپ علم کے بادشاہ مشہور تھے آپ نے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔(۱) ایساغوجی پر سید شریف کے حاشیہ پر حاشیہ۔ (۲) میر زاہد پر حاشیہ (۳) حمد اللہ پر حاشیہ، (۴) تلویح پر حاشیہ (۵) دروس البلاغہ کی شرح (۶) ظفر حامدی (۷) افضل التحقیقات فی مسالۃ الصفات آپ ذوالقعدۃ ۱۳۵۸ھ میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کا مدفن رامپور ہی بنا۔

حدیث شریف کی تکمیل آپ نے محدثِ[1] رامپور مولانا منور علی رامپوریؒ سے کی بعد میں محدّث رامپوری نے اجازت حدیث کی غرض سے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ[2] کی خدمتِ اقدس میں بھیجا وہاں آپ بخاری شریف کے اسباق میں شریک ہوئے اور حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی۔

زندگی کا دوسرا دَور

فراغت کے بعد مولانا سواتی نے "مدرسہ ارشاد العلوم" رامپور میں تدریس کا آغاز کیا، کچھ عرصہ بعد "مدرسہ رکنیہ" لاہر پور لکھنؤ سے منسلک ہوگئے۔ یہ مدرسہ اپنے بانی رکن الدّین کے نام سے موسوم تھا۔ اس مدرسے میں مولانا نے تقریباً پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد مولانا متّحدہ برِّصغیر پاک و ہند کے پایۂ تخت دہلی میں وارد ہوئے ان دنوں دہلی میں مدرسہ عالیہ فتحپوری کافی شہرت کا حامل تھا۔ شروع میں مولانا نائب صدر مدرس کی حیثیت سے اس مدرسہ سے وابستہ ہوئے بعد میں صدر مدرس کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور مدرسہ کا اہتمام و انصرام بھی آپ کے سپرد کردیا گیا۔ خان لیاقت علی خان سابق وزیر اعظم پاکستان اس مدرسہ کی کمیٹی کے صدر رہے۔ سندِ فراغت پر دونوں حضرات کے دستخط ثبت ہوتے، مولانا کے بحیثیّت صدر مدرس و مہتمم اور خان صاحب کے بحیثیّت صدر کمیٹی۔

---

[1] مولانا منور علی بن منظہر الحق حنفی رامپوری کا شمار اپنے زمانے کے محدثین میں ہوتا ہے، آپ رامپور میں پیدا ہوئے وہیں آپ نے پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی کچھ عرصہ مولانا محمّد صدیق رامپوری سے استفادہ کیا، منطق و فلسفہ کی تعلیم مولانا عبدالحق خیر آبادی سے حاصل کی، علم حدیث سیّد محمّد شاہ بن حسن شاہ حسینی رامپوری سے حاصل کیا، فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ رامپور میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ عازم حرمین ہوئے اور تقریباً ایک سال وہاں قیام کیا، پھر اپنے وطن لوٹ آئے، آپ کو حضرت شیخ الہندؒ سے بہت عقیدت تھی، آپ کا انتقال ۱۳۵۱ھ میں ہوا، آپ کی تاریخ وفات "مرقدِ آفتاب حدیث" نکلی۔

[2] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں تحریک آزادی ہند سے ادنیٰ سی دلچسپی رکھنے والے پر بھی آپ کے حالات زندگی اظہر من الشمس ہیں۔

اسی دوران فارغ اوقات میں مولانا مدرسہ رحمانیہ دہلی میں بھی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ دہلی کے قیام کے عرصہ میں مولانا سے کئی نامور شخصیات نے شرف تلمذ حاصل کیا جن میں مولانا فخرالدّین صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث دیوبند) شیخ طریقت مولانا عبدالغفور عبّاسی ثم مدنی، مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا محمدّ جوناگڑھی۔ سیّد ابوالاعلی مودودی[1] اور سردار عبدالرب نشتر سابق گورنر مغربی پاکستان جیسے افراد شامل ہیں۔ قیام دہلی کے زمانے میں مدرسہ کے ساتھ ساتھ کئی مساجد و مکاتب کا اہتمام و انصرام بھی مولانا سے وابستہ تھا۔ ہر علمی مجلس آپ کے بغیر ادھوری تھی، علماء و رؤسا شہر کی نظروں میں آپ کی بہت قدرو منزلت تھی۔

تقسیم کے بعد مولانا کی پاکستان آمد

مولانا نے راقم الحروف سے تقسیمِ ہند کے بعد اپنے پاکستان منتقل ہونے کا واقعہ یُوں بیان کیا کہ پہلے میرا پاکستان آنے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ اس طرح ایک بڑے دینی مرکز مدرسہ فتحپوری کے ضائع ہو جانے کا خدشہ تھا، لیکن ایک دن ایک ایسا واقعہ رونما ہُوا جس سے میرا دل وہاں رہنے سے اچاٹ ہوگیا۔ مولانا نے ذکر کیا کہ میں مسجد میں بخاری شریف پڑھا رہا تھا مسجد کے صحن میں کافی مُسلمان جمع تھے اسی دوران ایک ہندو نے صحن میں بم پھینکا جس سے مُسلمان کافی تعداد میں زخمی ہُوئے بس اس کے بعد میرے دِل میں یہ بات ثبت ہوگئی کہ اَب ہندو کے ساتھ گزارہ مشکل ہے بایں ہمہ مولانا پاکستان کو بھی برِّصغیر کے مُسلمانوں کی مشکلات کا آخری حل نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت نے دورانِ گفتگو بیان کیا کہ میں ہندوستان سے رُخصت ہوکر پہلے کراچی پہنچا تو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مہمان ہُوا، ایک رات مولانا عثمانی ایک الماری کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے، مولانا! یہ ملک بھر سے آنے والے خطوط سے بھری پڑی ہے لوگ جلد از جلد اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کررہے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ مَیں نے مولانا عثمانیؒ سے سوال کیا کہ آپ نے اس بارے میں کیا قدم اُٹھایا ہے اور کہاں تک پیش رفت ہُوئی ہے، بڑی حسرت سے فرمانے لگے مولانا کیا بتاؤں اسمبلی کی ساری کارروائی انگریزی میں ہوتی ہے۔ ہمارے احتجاج پر ہمیں جواب ملتا ہے حضرت آپ فکرمند نہ ہوں، ہم قانون بنارہے ہیں آپ اس پر صرف دستخط فرما دیجیے۔

ع مرا دردے ست اندر دل اگر گویم زبان سوزد

---

[1] حضرت مولانا فخر الدّین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مودودی صاحب کے بارے میں یہ بات مولانا سواتیؒ نے رفقائے سبق کی موجودگی میں متعدد بار ذکر فرمائی۔ منہ

اس واقعہ پر مولانا سواتی رحمہ اللہ نے فرمایا "یہ ہے بیّن ثبوت بانیین پاکستان کی اسلام سے وابستگی کا۔" جبکہ اسی نوعیّت کا اعتراف بعض حقیقت پسند لیگی زعماء بھی اپنی تصنیفات میں کر چکے ہیں۔

لاہور آمد

کراچی قیام کے بعد مولانا لاہور تشریف لائے۔ مولانا سیّد داؤد غزنویؒ نے مدرسہ غزنویہ کا جب لاہور میں نئے سرے سے احیاء و آغاز کیا تو اس کے پہلے مدرس مولانا سواتی تھے۔ اسی دوران مدرسۃ البنات میں بھی عربی پڑھاتے رہے، جب ۱۹۵۴ء، ۷۴، ۱۳۷۳ھ میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت جماعتِ اہل حدیث کے شدید اصرار پر وہاں تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۳ء، ۱۳۸۳ھ تک وہیں قیام رہا۔ اسی دوران ایک دفعہ لاہور آتے ہوئے بس ہی میں مولانا پر فالج کا حملہ ہوا جو کچھ دیر بعد ٹھیک ہو گیا۔ مولانا فرماتے تھے کہ خُدا کی قدرت مَیں بس سے اُترنے کے بعد آزادی چوک سے چوبرجی تک تقریباً پیدل گیا۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ شدید فالج کا حملہ ہوا جس بناء پر تقریباً دو سال درس و تدریس کا سلسلہ منقطع رہا، اس کے بعد مولانا نے لاہور ہی میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ جامعہ اشرفیہ اور مدرسہ نصرت الحق سے بھی وابستہ رہے آخر کار مولانا نے لاہور کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ مدنیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا اور تادم آخر یہیں معقولات کی تدریس اور منقولات کی ترویج میں مشغول رہے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً مولانا مسلکاً اگرچہ ایک متصلب حنفی تھے لیکن تعصب کا نشان بھی نہیں رکھتے تھے غیر مقلدین کے مدارس میں آپ کی تدریس اس کا بیّن ثبوت ہے غیر مقلدین کے بارے میں کبھی کبھی بس اتنا جملہ فرماتے "یہ بے ڈھنگے لوگ ہیں۔"

مولانا کے علوم

ویسے تو حضرت سواتیؒ تمام ہی علوم و فنون کے شاہسوار تھے لیکن معقولات میں آپ کو راسخ ملکہ حاصل تھا، قاضی مبارک، شمس بازغہ اور زواہد ثلاثہ کا درس فالج کے سبب لیٹے لیٹے بغیر کتاب دیکھے دیتے۔ اگر شاذ و نادر کہیں ضرورت پڑ بھی جاتی تو اس عمر میں بھی آپ کو عینک کی ضرورت نہ تھی۔ جامعہ مدنیہ میں تدریس کے دوران آپ کی عمر تقریباً سو سال کے لگ بھگ تھی۔ مولانا بڑے ظریف الطبع انسان تھے۔ سبق کے علاوہ بھی آپ کے پاس علماء و طلبہ کا اجتماع رہتا اور وہ آپ کے علمی نکات سے محظوظ ہوتے آپ کے ملفوظات کو اگر جمع کیا جاتا تو ایک بڑی کتاب تیّار ہو سکتی تھی، مگر اسے ہماری

بدقسمتی کہہ لیں یا نا اہلی، ایک دفعہ مولانا نے اپنا ایک واقعہ سُنایا فرمانے لگے مَیں جب تعلیم کے زمانے میں پہلی دفعہ وطن واپس گیا تو وہاں کے عُلماء بڑے حیران ہُوئے کہ اُس نے تین سال کے عرصہ میں کافیہ تک کتابیں کیسے پڑھ لیں کیونکہ سرحدی علاقوں کا طرزِ تعلیم وسطی ہندوستان سے ذرا مختلف تھا وہ "صَرف" پر ہی کئی کئی سال لگاتے تھے، چنانچہ میرے امتحان کے لیے ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں عُلماء کے علاوہ عوام بھی کافی تعداد میں موجود تھے، پہلا سوال مجھ سے یہ کیا گیا کہ "قَالَ اصل میں کیا تھا" مَیں نے سوچا اگر میں صرفی بحثوں میں اُلجھ گیا تو ہوسکتا ہے کہ مَیں اُن کا جواب نہ دے سکوں، کیونکہ یہ بڑے بڑے جید عُلماء ہیں۔ لہٰذا مَیں نے کہا قَالَ اصل میں قَالَ ہی تھا اور دلیل میں قرآنِ پاک کی آیت "وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ الآية" وغیرہ پیش کرتا رہا بس پھر تو کیا تھا عوام الناس میں میری بڑی واہ واہ ہُوئی ایک دفعہ اپنے ایک سفر کا واقعہ سُنایا۔ راقم کو تفصیل تو یاد نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مولانا نے تین دن مسلسل پیدل سفر کیا جس میں دو دن نہ افطار کا موقع ملا نہ سحری کا یہ سفر وادی سوات ہی میں تھا۔

عربی اَدب

مولانا کو عربی اَدب میں بھی دسترس حاصل تھی، مولانا کا کچھ عربی کلام بھی ہے جو اَب نایاب ہے، شروع میں انوارِ مدینہ کے اجراء پر مولانا نے جو عربی تبصرہ لکھا وہ عربیت کا شہ پارہ ہے، مولانا لکھتے ہیں۔ "الحمد لله الذی خلق فی السماء نجوما مضيئة للابصار واطلع فی الجامعة المدنية التی هی مركز العلوم الشرعية والعقلية اصولها وفروعها انوار المدينة التی هی فی الحقيقة مدينة الانوار تجيئ اليها الاخبار من كل فج عميق وتصدر عنها بعد التحقيق والتدقيق لازالت هذه الجامعة المدنية وانوار المدينة يوما فيوما تعرج وترقی وتزهر وتبهی وتنتر من فيضها اللالی ما تعاقب الايام والليالی۔"

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان میں آنکھیں روشن کرنے والے ستارے بنائے اور جامعہ مدنیہ میں جو کہ علوم شرعیہ و نقلیہ کے اُصول و فروع کا مرکز ہے انوار مدینہ جاری فرمایا جو کہ حقیقت میں مدینہ "الانوار" یعنی انوارات کا شہر ہے۔ یہاں دُور دراز سے خبریں آتی ہیں اور تحقیق و تفتیش کے بعد شائع کی جاتی ہیں، (اللہ کرے) یہ جامعہ مدنیہ اور انوارِ مدینہ دن دگنی اور رات چوگنی

ترقی و معراج کی منازل طے کرے اور تازمانہ اپنے فیض کے موتی بکھیرتا رہے۔

فارسی

مولانا چونکہ نسلاً افغان قبیلہ کی یُوسُف زئی شاخ سے تعلّق رکھتے تھے۔لہٰذا فارسی تو آپ کے لیے مادری زبان کی طرح تھی، ایف اے اور بی اے کے نصاب میں آپ کی کچھ امدادی کتابیں بھی ملتی ہیں باباصاحب آف سید و شریف کی تاریخ وفات کا مولانا نے جو قطعہ کہا ہے وہ اپنی جگہ آپ کی فارسیت کا شاہکار ہے۔

"حضرت قطب جہاں نور ھدی عبد الغفور
آہ از ما کردہ رحلت سوئے عقبیٰ ناگہاں

آہ دلہائے احبّہ خستہ گردید از غمش
کاین چنیں پر ہدایت شد زچشم ما نہاں

بہرۂ اعمال نیکو بہرِ تا اندر شتاب
ایزد پاکش بخواندہ سوئے گلزار جہاں

چونکہ این شمع ہدایت رو گرفت اندر حجاب
شد بگریاں در پسِ او مہر و ماہ و آسماں

حق تعالیٰ داردش در سایہ رحمت شریف
در نعیم و روح و ریحاں با مسرّت جاوداں

اعلیٰ حضرت میاں گل گلشہزادہ صاحب رحمہ اللہ کی دستار بندی پر مولانا سواتی رح نے مندرجہ ذیل قصیدہ کہا۔

قصیدۂ تہنیت بتقریب جشن دستار بندی اعلیٰ حضرت بادشاہ صاحب سوات

نتیجۂ فکر مولانا شریف اللہ صاحب صدرمدرس فتحپوری۔دہلی

○

چوں شاہ شد عبدالودود شُد فتح باب رحمتے　　امن و اماں شد جابجا فتح و ظفر ہم نصرتے
بشگفت گلزار جہاں ہر غنچہ گلشد ناگہاں　　ہر گوشہ گشتہ بوستاں آمد بہار و زینتے
ہر روز چوں نوروز ہر شب رواں افروز شد　　گیتی طرب اندوز شد پوشیدہ رُخ ہر کلفتے
در باغ بُلبل نغمہ زن سرخوش زشادی گُم وزن　　ساقی بصہبائی وزن مطرب بسازد عشرتے

بزم طرب مینو شُدہ از عطر و گل خوشبو شُدہ
آشوبہا یکسو شدہ رُخصت شدہ ہر عُسرتے

لالہ زمے ساغر بکف سرو ستارہ صف بصف
ہر غنچہ و گل ہر طرف از رنگ و بو در شہرتے

گردیدہ ہر ویرانۂ آباد چوں کاشانۂ
ہر محفلے ہر خانہ دار و عجب کیفیتے

قانُون سلطانی ببیں آئین آزادی ببیں
آئینہ شادی ببیں پر جلوہ از ہر صورتے

شوکت بساماں آمدہ حشمت خراماں آمدہ
چوں شاہ سیدو آمدہ با صد جلال و عظمتے

از حق بخواہ ہر دم دُعا بہر شہ والا شریف
بانیدہ بادا شاہ تا کے بود ایں خلقتے

○

خار غم را کہ برنگ گل خنداں بینم
از فروغ کرم این شہ افغاں بینم

شاہ سیدو بہ یقین سایۂ سبحانی شُد
کہ زجودش بجہاں صد سر و ساماں بینم

زینت انجمن دہر شُدہ عبد ودود
بخت افغاں بجہاں شمع فروزاں بینم

گرچہ دور است زپیش تو شریف غمگیں
لیک اورا بولائے تو ثنا خواں بینم

مولانا کا ایک مُبارک خواب

ایک مرتبہ ایک سبق میں ہم رفقائے سبق نے مولانا سے سوال کیا کہ آپ کو علوم و فنون میں ملکۂ راسخ کیسے حاصل ہُوا تو مولانا نے ہمارے کافی اصرار کے بعد ایک خواب سُنایا اور ساتھ ہی اس کا کسی سے ذکر نہ کرنے کی تاکید کی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ بات آپ ہماری دیانت پر چھوڑ دیں اگر دیانت کا تقاضا ہُوا کہ یہ نہ بیان کرنا چاہیے تو ہرگز بیان نہ کریں گے۔ بصورتِ دیگر ہمیں اختیار ہو گا تو آپ راضی ہو گئے اور "فرمایا کہ طالب علمی کے دَور میں ایک رات مَیں نے خواب دیکھا کہ ایک مسجد ہے اس کے نیچے دُکانیں ہیں اور اُس مسجد میں کافی لوگ جمع ہیں اور اس مجمع میں نبی علیہ الصّلاۃ والسّلام تشریف لانے والے ہیں اتنی دیر میں نبی علیہ الصّلاۃ السّلام تشریف لائے اور کچھ دیر بعد ایک گھوڑے پر واپس تشریف لے جانے لگے۔ مَیں دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ تو بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسلام تشریف لائے، نہ کوئی بات ہُوئی نہ مصافحہ یہ سوچ کر مَیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پیچھے چل دیتا ہُوں جب گلی کا موڑ سا آتا ہے تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گھوڑے سے نیچے اُتر آتے ہیں اور میرے سَر پر پگڑی

باندھتے ہیں اس کے بعد میں یہ پگڑی باندھے ہوئے ایک بہت بڑے ہال کے درمیان سے گزرتا ہوں جو لوگوں اور غالباً علماء سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ مولانا نے فرمایا بس اس خواب کے بعد میرا مطالعہ جاری ہوگیا۔"

مولانا محمود میاں صاحب نائب مہتمم جامعہ مدنیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خواب اس طرح یاد ہے۔

"طالب علمی کے زمانہ میں مجھے کتاب سمجھ میں نہیں آتی تھی اور سبق بھی یاد نہیں ہوتا تھا لہٰذا میں بہت پریشان اور اپنے مستقبل سے مایوس رہتا تھا اور اللہ سے دعا کرتا تھا کہ اے اللہ میرے لیے علوم آسان فرما۔ اسی اثناء میں میں نے خواب دیکھا کہ میں اپنے مدرسہ کی طرف پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں مدرسہ کی مسجد (اوپر تھی اس کے نیچے دکانیں تھیں۔ میں حسب معمول دکانوں کے آگے سے گزر کر مسجد کی طرف جا رہا ہوں دیکھتا ہوں کہ ایک دکان پر کافی ہجوم ہے لوگ کسی چیز کو دیکھنے کے شوق میں دکان کے اندر گھسے جا رہے ہیں اچانک ہجوم پیچھے کو ہٹا جیسے کسی کے اندر سے باہر آنے کے لیے راستہ بنا رہے ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے وہ صاحب جناب حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں مجھ پر رعب طاری ہوگیا اور میں فوراً ایک طرف ہوگیا اس خیال سے کہ اگر آپ نے میری طرف دیکھ لیا تو میں اس کی تاب نہ لاسکوں گا اور اسی ڈر سے آپ کی طرف بھلی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ رہا بلکہ بگوشہ چشم دیکھ رہا ہوں۔ آنجناب باہر تشریف لائے اور گھوڑے پر تشریف فرما ہو کر جانے لگے آپ میرے قریب سے گزرے اور اچانک میری جانب دیکھا میں گھبرا گیا اور میرے قدم لڑکھڑا گئے آپ گھوڑے سے اُترے اور میرے سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا کہ "جاؤ" میں واپس اپنے گھر کی طرف آرہا ہوں۔ راستہ میں لوگ میری طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتلا رہے ہیں کہ یہ ہے وہ لڑکا جس کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عمامہ باندھا ہے۔ اگلے دن جب میں نے اپنی کتاب پڑھنے کے لیے کھولی تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں نے یہ پہلے سے پڑھ رکھا ہے۔

جہادِ افغانستان

افغانستان میں جب صدر داؤد کے قتل کے بعد رُوسی فوجوں سے جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا اس میں بہت دلچسپی لیتے بلاناغہ اس کے بارے میں خبریں پوچھتے اخبار سنتے اور مجاہدین کو دعائیں دیتے، افغانستان میں مولانا کے تلامذہ بھی کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

ازدواجی زندگی: مولانا زندگی میں دو مرتبہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے مرحوم کی پہلی زوجہ

محترمہ کا انتقال دہلی ہی میں ہوگیا تھا ان سے مولانا کی ایک بیٹی زندہ ہیں، مولانا کی دوسری اہلیہ علّامہ پُرْدِلُ خان صاحب کی صاحبزادی تھیں ان سے مولانا کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں، مولاناؒ کے بڑے بیٹے ڈاکٹر حامد خان حامد کا مولانا کی وفات سے چند سال بعد انتقال ہوگیا۔ مرحوم گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ فارسی کے چیئرمین تھے، ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں بڑا بیٹا نعمان اس وقت انجینئرنگ یُونیورسٹی لاہور میں زیرِ تعلیم ہے۔

وفات

تعلیمی سال کے آخر رجب میں ہماری جماعت نے شمس بازغہ ختم کرنے کے بعد مولانا سے رشیدیہ شروع کر رکھی تھی۔ اسی دوران مولانا کے سینے میں درد اُٹھا۔ یہ مولانا کا جامعہ میں آخری دن تھا مشہور ماہر امراض دل ڈاکٹر راشد رندھاوا نے یرقان کا مرض تشخیص کیا۔ گھر پر ہی علاج ہوتا رہا۔ کچھ افاقہ بھی ہُوا، رمضان گزارا، بالآخر کل نفس ذائقۃ الموت کے قانون کے مطابق آپ نے بھی یہ جام نوش کیا اور ۸ شوال ۱۳۹۹ھ شب شنبہ بمطابق ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء بعد از نماز عشاء نو بج کر ۳۵ منٹ پر اس دارِ فانی سے دارِ باقی کی طرف رختِ سفر باندھا۔ اِنّا للّٰہ واِنّا الیہ رَاجِعون دوسرے دن یکم ستمبر ۸ شوال ہی کو آپ کی نمازِ جنازہ اور تدفین عمل میں لائی گئی اور آپ کو لاہور کے مشہور قدیمی قبرستان "میانی صاحب" میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اللھم اغفر لہٗ وا رحمہ واجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ۔

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی رحمہ اللہ کی وفات پر اُن کے فرزند ارجمند ڈاکٹر حامد خان حامد مرحوم نے اُردو زبان میں ایک مرثیہ لکھا تھا جو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ــــ

بہ یادِ والد بزرگوار

مولانا محمد شریف اللہ خان سواتی

مرحوم و مغفور

درویش کی طرح سے گزاری ہے زندگی
پائی نہ تم نے کوئی بھی دُنیا میں دلخوشی

تحصیلِ علم و فن میں رہے منہمک سدا
تدریسِ علمِ دین سے شَغَفْ عمر بھر رہا

شیرانہ زندگانی تمہاری رہی یہاں
تم سے ہی فیضیاب تھی ہر ذی نفس کی جاں

اولاد کا ہمیشہ تصوّر رہا تمہیں
اولاد بے بصر تھی کہ کچھ نہ دیا تمہیں

خوشنودیاں ہر ایک کی مطلوب تھیں تمہیں
اپنے لیے اذیّتیں مرغوب تھیں تمہیں

تم کیا گئے کہ دینی مدارس میں سوگ ہے
ہر شخص کو فراق تعلّم کا روگ ہے

سَرچشمۂ علوم بھی سوکھا ہُوا سا ہے
عرفانِ دین کا ساز بھی ٹُوٹا ہُوا سا ہے

اَب کون مسئلوں کا ہمیں حل بتائے گا
دانشِ طلب کو علم کا رستا دکھائے گا

آتے ہیں لوگ پرسشِ احوال کے لیے
تعیینِ حدِّ صورتِ اعمال کے لیے

فیضان علم و فن کا ہے فقداں ہر طرف
ہے رو بروے موہم ایماں ہر طرف

تم گوشۂ خمول سے نکلے نہیں کبھی
ہر چند لوگ تم کو بلاتے رہے سبھی

ہر مُلک میں ہے شوقِ تعلّم تو تم سے ہے
ہر شخص کو ہے ذوقِ تکلّم تو تم سے ہے

سینہ تمہارا مخزنِ انوار تھا مگر
ظاہر کیا نہ تم نے کبھی اپنی آل پر

ہے عالمانِ دیں کو سکتہ کہ کیا ہُوا
یہ کون اُن کے بیچ سے اُٹھ کر چلا گیا

پڑھتے رہے ہیں تم سے سبق اہلِ علم و فن
تھا مہرباں تم پہ خُداوندِ ذوالمنن

تھی عجز و انکسار کا مظہر تمہاری ذات
محبوب تھی نہ تم کو یہ دُنیائے بے ثبات

خُلدِ بریں کی راہ پہ تم گامزن ہُوئے
زادِ سفر تمہارے لیے علم و فن ہُوئے

دیدارِ کردگار میں تم مضطرب رہے
ساعاتِ انتظار میں تم مضطرب رہے

آخر وصال ہو گیا پروردگار سے
تم جا ملے ہو ایزدِ عالی وقار سے

تم کو ملے گا جنّتِ فردوس میں مقام
پائیں گے ہم بھی تم سے شفاعت دمِ قیام

مل جاؤ گے تم اپنے عزیزوں سے بیگماں
ہو جاؤ گے تم اُن کے تقرّب سے شادماں

تم حامدِ خدائے زمان و مکاں رہے
دلدادۂ صفاتِ خداوند جاں رہے

قرآن کے مفسّرِ عالی مقام تھے
اخبارِ مصطفٰی کی وضاحت میں تام تھے

تم کو ملے حمایتِ محبوبِ کبریا
تم عاشقِ رسول تھے، مدّاحِ انبیا

اللہ تم کو راحتِ مطلق کرے عطا
سدرہ کے زیرِ سایہ رکھے خلد میں سدا

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی وقرأت سبعہ وعشرہ اور راویت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے بھی ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

بزمِ قارئین

جامعۃ الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی کے مہتمم حضرت مولانا محمد فضل القاضی کا مکتوبِ گرامی

محترم جناب مولانا سیّد رشید میاں صاحب مولانا سیّد محمود میاں صاحب زیدت معالیکم۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ‘

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بناکردہ علمی اور دینی ادارہ "جامعہ مدنیہ" کے جاری کردہ مؤقر مجلہ انوارِ مدینہ کے پرچے بلاکسی تعطل و انقطاع کے مل رہے ہیں۔ مجلہ کے معیار اور اس کے .... مبارکباد پیش خدمت ہے اس دور میں ایک خالص دینی مجلّہ کا چلانا اور اسے ترویج دینا یقیناً اربابِ ادارہ کے خلوص کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ حضرت اقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات کے تراشے، حضرت الامیر رحمہ اللہ کے دروس کے حصّے اور حضرت شیخ المشائخ مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے ملفوظات وحالات سے رسالہ کا معیار مزید بڑھ گیا ہے مولانا سیّد رشید میاں صاحب مدظلہ کی بیماری کے متعلّق پڑھا۔ اللہ تعالیٰ صحتِ کاملہ نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ ادارہ کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔ مجلّہ کو اہلِ زیغ و ضلال کی ہدایت اور اربابِ ہدایت کے زیادتِ ہدایت کا وسیلہ بنادے۔ آمین

مدرسین و طلباء، مدرسہ اہلِ مجلس و احباب کو سلام عرض ہے۔

محمّد فضل اللہ القاضی